ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
www.tanzeem.org
13

24 تا 30 ربیع الثانی 1432ھ/ 29 مارچ تا 4 اپریل 2011ء

ایمان کا سب سے بڑا منبع

ایمان کا سب سے بڑا منبع وسرچشمہ خود قرآن حکیم ہے۔ سورۃ الانفال میں سچے اہل ایمان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ (آیت:2) ''اور جب ان کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان میں اضافہ کردیتی ہیں۔'' معرفت رب ہر انسان کے دل میں ودیعت شدہ ہے اور ضرورت صرف اسے جلا دینے یعنی activate کرنے کی ہے اور یہ صرف نور وحی سے ہی ممکن ہے۔ چنانچہ جب فطرتِ سلیمہ پر نورِ وحی کا نزول ہوگا تو نورِ ایمان وجود میں آجائے گا۔

ہمارا انسانی وجود ایک مرکب وجود ہے جو جسد اور روح پر مشتمل ہے۔ ہمارے جسدِ خاکی کی تمام ضروریات اس زمین سے پوری ہوتی ہیں۔ لیکن ہمارا روحانی وجود عالم امر کی شے ہے اور اس کے تغذیہ وتقویت کے لیے اللہ تعالیٰ نے عالمِ بالا سے قرآن حکیم نازل کیا ہے۔ ہماری زمینی حیات کا مبدا پانی ہے اور یہی ہماری زندگی کا سرچشمہ ہے۔ عالمِ حیاتیات میں جو کام پانی سرانجام دیتا ہے وہی کام عالمِ امر میں قرآن کرتا ہے۔

ہماری پوری تحریک، جدوجہد اور جستجو کا یہی فلسفہ ہے کہ قرآن حکیم ایمان ویقین کا منبع وسرچشمہ ہے اور ضرورت صرف تعلیم وتعلّم کے ذریعے اسے عام کرنے کی ہے اور اسی ذریعے سے شعوری ایمان پیدا ہوگا۔

حقیقت ایمان
ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اس شمارے میں

آگ کے ستونوں کا مکین

نظام خلافت کا پہلا تقاضا

ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

قراردادِ پاکستان سے قراردادِ مقاصد تک

نبی اکرم ﷺ پر تکمیلِ نبوت ورسالت کے مظاہر

''ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی قرآنی، دینی اور ملی خدمات'' کے موضوع پر منعقدہ سیمینار کی روداد

تاریخ اپنے آپ کو پھر دہرا رہی ہے

سورۃ التوبہ

(آیت:106)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٦﴾

’’اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا کام اللہ کے حکم پر موقوف ہے، چاہے اُن کو عذاب دے اور چاہے معاف کر دے۔ اور اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔‘‘

اب یہاں ان تین صحابہ کا ذکر ہے جن سے جنگ میں جانے کے سلسلہ میں کمزوری صادر ہوئی۔ یہ تین شخص کعب بن مالکؓ، ہلال بن امیہؓ اور مرارہ بن الربیعؓ ہیں جو باوجود مومن مخلص ہونے کے محض تن آسانی اور سہل انگاری کی بنا پر غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کر سکے۔ جب حضور ﷺ واپس تشریف لائے تو انہوں نے نہ تو منافقین کی طرح جھوٹے بہانے کیے اور نہ بعض صحابہ کی طرح خود کو ستونوں سے باندھا، بلکہ صاف صاف اپنی تقصیر کا اعتراف کیا۔ حضرت کعب بن مالک انصاری نے خود اس واقعے کی تفصیل بیان کی ہے۔ یہ حدیث بخاری شریف میں موجود ہے۔ مولانا مودودیؒ نے یہ پوری حدیث ’’تفہیم القرآن‘‘ میں نقل کی ہے۔ یہ سبق آموز واقعہ ہے جسے پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت اسلامی معاشرہ کی کیا کیفیت تھی۔ حضور ﷺ اور آپؐ کے اصحاب کے درمیان کس طرح کے تعلقات تھے؟ حضور ﷺ سزا دے رہے تھے تو کس طور سے دے رہے تھے؟ جن کو سزا دی جا رہی تھی ان کے احساسات کیا تھے؟ جن حضرات کو سزا دی گئی تھی، اُن کے رشتہ داروں اقرباء اور معاشرے کے دوسرے افراد حتیٰ کہ اُن کی بیویوں کا طرزِ عمل کیسا رہا؟ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ صحیح معنی میں جماعتی زندگی کس رُخ پر ہونی چاہیے۔

تین اصحاب کا معاملہ یہ ہوا کہ ڈھیلے پڑے رہے کہ اچھا اب چلتے ہیں، اب چلتے ہیں۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان دنوں بہت صحت مند تھا اور میرے پاس مال بھی بہت تھا۔ میری اونٹنی بھی توانا تھی۔ میں نے سوچا کہ حضور ﷺ تو چلیں گے تیس ہزار کا لشکر لے کر، اُن کی رفتار کم ہوگی، میں چند دن بعد چلوں گا تو اُن کے ساتھ جا ملوں گا۔ ابھی گھر میں ٹھنڈی چھاؤں ہے، اپنے باغ میں آرام کرتے ہیں۔ شیطان اِسی طرح سے تاخیر کراتا رہا اور دن پر دن گزرتے گئے۔ اچانک ایک دن یہ خیال آیا کہ اب تو چاہے کتنا ہی تیز دوڑوں، میں حضور ﷺ سے نہیں مل سکتا۔ اس خیال سے حضرت کعب پیچھے رہ گئے اور فکر مند ہو کر بیٹھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے واپس آنے تک توبہ کے سلسلہ میں خود کوئی اقدام نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے آئے، اور پیچھے رہ جانے والوں سے باز پرس شروع کی۔ منافق آتے، قسمیں کھاتے اور اپنے عذر پیش کرتے۔ حضور ﷺ اُن کی بات مان لیتے اور جانے دیتے۔ جب کعب بن مالک کی باری آئی تو حضور ﷺ مسکرا دیئے کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ کعب منافقین میں سے نہیں ہے۔ آپؐ کے استفسار پر حضرت کعب بن مالکؓ کہنے لگے، حضور ﷺ یہ لوگ جو جھوٹی قسمیں کھا کھا کر بچ گئے ہیں، مجھے بھی اللہ نے زبان دی ہے، میں بھی باتیں بنا سکتا ہوں۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ میرے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔ ان دنوں میں میں اتنا صحت مند تھا، جتنا کبھی نہیں رہا۔ میرے پاس اتنا مال تھا، جتنا کبھی نہیں رہا۔ بات یہ ہے کہ شیطان مجھے ورغلاتا رہا اور دن گزرتے گئے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت کعب اور ان کے دو ساتھیوں ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن الربیع کو مقاطعے کی سزا سنائی، یعنی اُن کے سوشل بائیکاٹ کا اعلان کر دیا کہ کوئی ان سے بات نہ کرے۔ چنانچہ اُن پر اس حالت میں پچاس دن گزر گئے۔ دوسرے لوگ تو الگ خود اُن کی بیوی تک اُن سے بات کرنے کو تیار نہ تھی۔ بیوی کو میکے بھیجنے کے بارے میں پوچھا گیا تو بیوی نے کہا مجھے یہیں رہنے دیجیے۔ یہاں میرے علاوہ ان کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں اور یہ بوڑھے آدمی ہیں۔ شاید بعد میں انہوں نے اپنی بیوی کو بھی بھیج دیا۔ وہ کسی کے پاس جاتے، بات کرنے کی کوشش کرتے تو کوئی ان سے بات نہ کرتا۔ وہ کہتے، آپ سب کو معلوم ہے کہ میں منافق نہیں، مسلمان ہوں اور تم مجھ سے بات نہیں کرتے تو لوگ جواب دیتے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو خوب علم ہے، پھر منہ موڑ کر چلے جاتے۔ یہ اُس وقت کے مسلم معاشرے کے نظم و نسق کا حال تھا، کہ چونکہ ہمارے نبی نے ان کو سزا دی ہوئی ہے، لہٰذا اب ان سے کوئی بات نہیں کرے گا۔

ان پچاس دنوں کے دوران وہ واقعہ بھی پیش آیا کہ ملک غسان کی طرف سے ایک ایلچی حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک خط لے کر آیا جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ (نعوذ باللہ) تمہارے صاحب (یعنی رسول اللہ ﷺ) تم پر بڑا ظلم کر رہے ہیں۔ تم بڑے شریف آدمی ہو۔ اپنی قوم کے سربرآوردہ لوگوں میں سے ہو۔ تم ایسے چھوٹے نہیں ہو کہ تمہیں اس طرح ذلیل کیا جائے۔ تم ہمارے پاس آ جاؤ۔ ہم تمہیں اپنے دربار میں اونچا مقام دیں گے۔ یہ ایک اور بڑی مصیبت تھی۔ حضرت کعبؓ نے وہ خط لے کر پھاڑا اور تنور میں پھینک دیا۔ اگر اُن میں ذرا بھی کمزوری ہوتی تو شیطان اِس کمزوری کو exploit کرتا، مگر حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے شیطان کا یہ حملہ بھی ناکام بنا دیا۔

ان تینوں حضرات کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے موخر کر دیا گیا۔ اللہ چاہے گا تو انہیں عذاب دے گا اور چاہے گا تو ان کو بھی توبہ کی توفیق دے گا یا اُن کی توبہ قبول کرے گا اور اللہ تعالیٰ تو علیم ہے، حکیم ہے۔ بہر حال یہ پچاس دن سختی کے گزرے اور پھر وہ آیات نازل ہوئیں جن میں ان کی توبہ قبول ہوئی اور اُن کا مقاطعہ ختم کر دیا گیا۔

تا خلافت کی بنا، دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

24 تا 30 ربیع الثانی 1432ھ — جلد 20
29 مارچ تا 4 اپریل 2011ء — شمارہ 13

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
ایوب بیگ مرزا — محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 36366638-36316638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرونِ پاکستان
انڈیا ---------------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
”مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن“ کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

”ادارہ“ کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

آگ کے ستونوں کا مکین

اللہ ربّ العزت اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے: ”مجھے ستاروں کی منزلوں کی قسم۔ اور اگر تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے کہ یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے۔ (جو) کتاب محفوظ میں (لکھا) ہوا ہے۔ اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں۔ پروردگار عالم کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ کیا تم اس کلام سے انکار کرتے ہو؟ اور اپنا وظیفہ یہ بناتے ہو کہ اسے جھٹلاتے ہو؟“ (سورۃ الواقعۃ: 75-82)

جلانے والے نے اُس کتاب کو جلایا جسے کائنات کے خالق نے قرآنِ کریم کہا ہے۔ صرف مذکورہ بالا آیات میں ہی نہیں بلکہ قرآن حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اس کلام کو جگہ جگہ سراہا ہے۔ اُسے کئی حسین اور خوبصورت نام دیئے ہیں۔ قوموں کے عروج و زوال کو بھی اس کے ساتھ کسی نہ کسی انداز میں منسلک کیا ہے۔ یہاں تک فرما دیا کہ ہم اگر اسے پہاڑ پر نازل کر دیتے تو پہاڑ خشیت الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کے علاوہ زبور، توریت اور انجیل بھی نازل کی اور کئی صحیفے نازل کیے۔ لیکن قرآن پاک کے سوا کسی کے بارے میں یہ ارشاد نہیں فرمایا (ترجمہ) ”ہم نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے“۔ ظاہر ہے اس صورت میں اس میں تحریف کس طرح ممکن تھی جبکہ پہلی آسمانی کتابوں کا متن محفوظ نہ رہ سکا اور صحیفوں کے نام ونشان ہی نہیں ملتے۔ اسی طرح انبیاء و رُسل کو معجزات عطا کیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں رونما ہونے والے معجزات کا قرآن کریم میں تفصیلی ذکر موجود ہے۔ البتہ اپنے آخری نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس انداز میں کوئی معجزہ عطا نہ فرمایا جو قوم کے مطالبے پر چیلنج کے طور پر قبول کر کے دکھایا گیا ہو۔ لیکن انبیاء و رُسل کے معجزے اُن کی دنیوی زندگی کے ساتھ ختم کر دیئے گئے، یعنی عصائے موسوی علیہ السلام یا یدِ بیضا ہو یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں پانی کا شراب بننا ہو یا اذنِ الٰہی سے مُردوں کا جی اُٹھنا ہو، یہ معجزات اِن اولوالعزم رسولوں کی دنیوی زندگی تک تھے، جبکہ قرآن مجید کی صورت میں خاتم الانبیاء والرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ایسا زندہ معجزہ عطا فرمایا کہ وہ تا قیامت قائم و دائم رہے گا، علم وحکمت کے موتی بکھیرتا رہے گا، ہدایت کے خواہش مندوں کو ہدایت اور رہنمائی عطا فرماتا رہے گا۔ یہ واحد کتاب ہے جسے اربوں اور کھربوں مرتبہ پڑھا جاتا ہے، لیکن تازگی پھر بھی قائم رہتی ہے۔ اکثر ظالم انسان کو درندے اور جانور سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔ جہالت کے جس ملعون پتلے نے اللہ کا کلام جلا کر جس شیطنت کا مظاہرہ کیا ہے اُسے کسی کے ساتھ بھی تشبیہہ دینا مناسب نہ ہوگا۔ اُسے صرف یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اگر تم نے پورے خلوص سے اللہ تعالیٰ سے معافی نہ مانگی اور دینِ حنیف کو اختیار نہ کیا تو اُخروی زندگی میں جس آگ میں تجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا ہوگا اُس کے بارے میں الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اُس کی ایک چنگاری اگر دنیا میں گر جائے تو ساری دنیا تاریک ہو جائے۔

جہاں تک مسلمانوں کے جذبات کا تعلق ہے وہ اس واقعہ سے بڑی بُری طرح کچلے گئے ہیں۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر دنیا بھر کے مسلمانوں سے ملعون پادری یہ کہتا کہ میں قرآن پاک صرف اس شرط پر نہیں جلاؤں گا کہ تم خود قرآن پاک کی جگہ اس آگ میں کود جاؤ تو ربّ کعبہ کی قسم ہمارے سمیت مسلمانوں کی عظیم اکثریت اُس کی یہ شرط پوری کر دیتی۔ لیکن معاملات محض جذبات سے اور صرف ایک مرتبہ جل مرنے سے حل نہیں ہوتے۔ اللہ کے راستے میں جہاد سلگ سلگ کر جلنے سے ہوتا ہے، نفسانی خواہشات کو نذرِ آتش کرنے سے ہوتا ہے۔ کُتے کی آنت کی طرح دراز ہوتی دنیوی سہولتوں کو جلتی چِتا میں ڈالنے سے ہوتا ہے۔ یہ جہازوں میں عیش کدے اور سینما بنانے سے نہیں، کشتیوں کو دشمن کے ساحل پر جلانے سے ہوتا ہے۔ ایک ملعون پادری نے

قرآن پاک کو جلا کر اُمتِ مسلمہ کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کیا ہے۔ اس کا منہ توڑ جواب تقریروں، تحریروں، جلسوں اور جلوسوں سے نہیں دیا جا سکے گا۔ ٹائر جلانے پر وہ قرآن جلانے سے باز نہیں آئیں گے۔ اے مسلمانانِ عالم! ضرورت اللہ سے ناتا جوڑنے، احکاماتِ نبویؐ کے سامنے سرنگوں ہونے، پھر منہجِ نبویؐ پر چلتے ہوئے قوت فراہم کرنے کی ہے۔ اللہ کے پیارے نبی ﷺ جیسا نہ کوئی عابد ہو سکتا ہے نہ زاہد، لیکن جب وصال ہوا تو گھر میں کھانے کو تو کچھ نہ تھا لیکن تلواریں دیواروں سے لٹک رہی تھیں۔ جہاد کے لیے تعلق مع اللہ اور گھوڑے تیار رکھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول ﷺ کی بے حرمتی کرنے والے اُس وقت تک یہ ناپاک عمل جاری رکھیں گے جب تک اُنہیں یہ نہ معلوم ہو جائے کہ کتابِ زندہ اور رسولِ پائندہ کے عاشق بدنیتی سے قرآن پاک اور نبی اُمی ﷺ کی حرمت کی طرف بڑھنے والے ہاتھوں کو کاٹ دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مقدس کتاب اور محبوب پیغمبر ﷺ کی توہین پر یہ بدبخت تو خلود فی النار کے مستحق ہو گئے۔ ہم جو اپنے کردار، اپنی کمزوری اور اپنی ناتوانی کی وجہ سے اُنہیں سب کچھ کرنے کا موقع فراہم کر رہے ہیں، ہم کس منہ کے ساتھ روزِ محشر اللہ کے حضور حاضر ہوں گے اور دربارِ رسالت میں آنکھیں چار کرنے کے قابل ہوں گے؟ حضور ﷺ تو قرآن کو چھوڑنے پر اپنی اُمت کا اللہ کے حضور گلہ اور شکوہ کر رہے ہوں گے، ہم نے قرآن کو جلنے دیا! دیکھا جائے تو بات وہیں تک پہنچتی ہے۔ قرآن کو چھوڑنے سے مسلمان اس حالت کو پہنچے کہ علی الاعلان قرآن کو جلایا گیا لیکن وہ بددعاؤں اور گالیوں کے سوا کچھ نہیں کر سکے۔ اے کاش ہم اس نکتہ کو سمجھ جائیں کہ قرآن سے عملی تعلق توڑ لینا، قرآن کو روزمرہ کی زندگی میں اپنا امام اور رہنما نہ بنانا، سنتِ رسول ﷺ سے لاتعلق ہو جانا بھی درحقیقت قرآن اور حاملِ قرآن کی توہین ہے۔ ہم یہاں جہالتِ جدیدہ کے شکار اُن لوگوں کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھیں گے جو اپنی دانشوری کے بل بوتے پر سادہ لوح مسلمانوں کو یہ کہہ کر گمراہ کرتے ہیں کہ اللہ اور خصوصاً اللہ کے رسول ﷺ کے بعض احکامات اُسی دور یعنی دورِ نبویؐ تک محدود تھے، اب اُن کا اطلاق اس طرح نہیں ہوتا جیسے دورِ نبوت میں ہوتا تھا۔ بالفاظِ دیگر یہ لوگ حضور ﷺ کے تاقیامت رسول ہونے اور ہر دور میں قابلِ تقلید واتباع ہونے کو نہیں مانتے۔ ہمارے نزدیک ایسے لوگ ختمِ نبوت کے تقاضوں سے ناآشنا اور مکمل گمراہی کے شکار ہیں۔ بہرحال ہم اپنی سستی، غفلت اور دنیوی امور میں لت پت ہو کر دین سے دور ہوں یا کسی گمراہ کن فکر کی وجہ سے اپنے اسلاف سے تعلق توڑ کر علمِ بغاوت بلند کریں، دینِ محمدیؐ سے یہ دُوری ہمیں مزید پستیوں میں گرا دے گی۔ اور دشمن اب کوئی رعایت دینے کو تیار نہیں، وہ فیصلہ کن ضرب لگانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ حضور ﷺ کے خاکے بنانا یا قرآن پاک کو جلانا یہ All out war کی ابتدا ہے۔ دشمن سمجھتا ہے اور صحیح سمجھتا ہے کہ مسلمانوں کو جسمانی موت اُس وقت تک نہیں آ سکتی جب تک ان کی روح اور ان کا ضمیر مردہ نہ ہو جائیں۔ اگر ہمارے اجسام ہماری ارواح کے مقبرے بن جاتے ہیں تو پھر یہ ریت کی دیوار سے زیادہ کمزور ہیں۔ دشمن جب چاہیں گے گرا لیں گے۔

اے اُمتِ مسلمہ! وقت تھوڑا ہے اور مقابلہ سخت۔ اگر آج ہم اللہ کی کتاب کو جلنے سے بچانے کے لیے میدان میں اترتے ہیں تو روزِ قیامت وہ ہمیں جلنے سے بچا لے گی۔ رہا اُن کا معاملہ جو محبوبِ ربانی کے خاکے بناتے ہیں اور اللہ کی نازل کردہ آخری کتاب کو جلانے کی جسارت کرتے ہیں، تو اُنہیں ہم اِن سر کی آنکھوں سے جہنم میں آگ کے ستونوں میں بند صاف دیکھ رہے ہیں۔ آیئے، یہاں اللہ کی بندگی اختیار کر کے اور صف بندی کر کے اُن کے خلاف میدان میں اتریں تاکہ جنت کے دریچوں سے جھانک کر اُن کے عبرت ناک طریقے سے جلنے کا نظارہ بھی کر سکیں۔ وما علینا الاّ البلاغ!

بیابہ مجلس اسرار

نظام خلافت کا پہلا تقاضا

اللہ کی حاکمیت ہی دراصل نظامِ خلافت کا اصل تقاضا ہے، یعنی یہ طے کر دیا جائے کہ حاکمیت کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اس کے برعکس جمہوریت اس اعتبار سے ایک ملعون نظام ہے کہ اس میں حاکمیت کا اختیار عوام کو حاصل ہوتا ہے اور یہی چیز کفر ہے، شرک ہے، اس لیے کہ ؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

اس سے پہلے جمہوریت کے ساتھ اسلام کا لاحقہ لگا کر ہم اسے اسلامی جمہوریت کہتے رہے ہیں، لیکن جمہوریت میں عوام کی حاکمیت کا بیج اتنا گہرا پڑا ہوا ہے کہ اسے نکالنے کی لاکھ کوشش کریں لیکن پھر بھی نہیں نکلتا۔ علامہ نے جمہوریت کے اسی تصور کو بتانِ آزری سے تعبیر کیا۔ اسلام میں اللہ کے علاوہ کسی کو حاکمیت کا اختیار حاصل نہیں اور ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو "قراردادِ مقاصد" کی صورت میں پاکستان کے آئین میں طے کر دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی جدوجہد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ قراردادِ مقاصد کی منظوری کے لیے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو یہ دھمکی بھی دینا پڑی کہ اگر دستور ساز اسمبلی قراردادِ مقاصد کو منظور نہیں کرے گی تو میں اسمبلی سے باہر جا کر عوام سے کہوں گا کہ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے ساتھ دھوکا کیا ہے، یہ لوگ اسلام نہیں چاہتے، انہوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے دھوکہ بازی کے ذریعے مسلمانوں کے ووٹ حاصل کیے۔ اس دھمکی کے بعد دستور ساز اسمبلی سے قراردادِ مقاصد پاس ہوئی۔ اس قرارداد کو منظور کرانے کے لیے جماعت اسلامی نے بھی بڑی ہی منظم مہم چلائی جس کا پاکستان کے لوگوں نے ساتھ دیا تھا۔ جماعت اس وقت تک ایک سیاسی جماعت نہیں تھی اور براہِ راست مدمقابل کی حیثیت سے الیکشن کے میدان میں نہیں آئی تھی، اس لیے جماعت کی اس مہم کی پذیرائی کی گئی کہ یہ اسلام کی بات ہے، سیاست کی بات نہیں، یہ اقتدار کا کھیل نہیں ہے۔ بہرحال اس قرارداد کی منظوری میں جس کا جتنا ہاتھ ہے، جس کی جتنی کوشش ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو اجر وثواب سے نوازے۔ الحمدللہ، اس قراردادِ مقاصد کی شکل میں ہمارے آئین میں خدا کی حاکمیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔

ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور میں

امیر تنظیم اسلامی محترم **حافظ عاکف سعید** حفظہ اللہ کے 18 مارچ 2011ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[سورۃ البقرۃ کی آیت 66 اور سورۃ آل عمران کی آیت 112 کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات محترم! اس وقت پوری قوم کے ذہنوں میں ایک ہی ایشو ہے، اور اِس کے حوالے سے بہت سے سوالات اُٹھ رہے ہیں۔ ایک شدید رنج اور غم کی کیفیت ہے۔ ظاہر ہے، کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ پوری قوم صدمے اور رنج کی کیفیت میں ڈوب جاتی ہے۔ کچھ ایسا ہی صدمہ اہل پاکستان کو ریمنڈ ڈیوس کی رہائی کی صورت میں پہنچا ہے۔ اب اس کی خواہ کوئی بھی عقلی توجیہہ کی جائے اور اس کے لیے کتنے ہی منطقی دلائل دیئے جائیں، امر واقعہ یہ ہے کہ ہر شخص بے چین، مضطرب اور صدمہ سے دوچار ہے کہ یہ اچانک ہوا کیا ہے۔ اب تک تو یہ کہا جا رہا تھا کہ ہماری حکومت کو حالات نے امریکہ کے سامنے کھڑے ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ عوام بھی امریکہ کے حوالے سے اُس کے ساتھ کھڑے تھے۔ لیکن پھر ہمارے حکمرانوں نے وہی بزدلی دکھائی جو اُن کی سرشت میں شامل ہو چکی ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ وہ قوت ایمانی نہیں ہے، اللہ پر توکل نہیں ہے، اللہ کی مدد پر یقین نہیں ہے۔ لہٰذا امریکہ کے آگے گیدڑ ہی بننا تھا، اس لیے کہ قوت ایمانی کے بغیر بڑی طاقتوں کے سامنے سٹینڈ لینا ممکن نہیں ہوتا۔ جب اللہ کی مدد پر یقین نہ ہو تو بڑی طاقتوں کے سامنے سجدہ ریز ہونے اور ان کا حکم ماننے میں ہی عافیت سمجھی جاتی ہے۔ جیسے بھی ہو، اُن کی رضا اور خوشنودی کے حصول کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے خواہ کچھ بھی کرنا پڑے۔ ویسے تو ہمیں شریعت سے کوئی سروکار نہیں ہے، لیکن اگر دین و شریعت کے اصول اور ضابطے پر چل کر امریکہ کی مطلب برآری ہوتی ہو تو اُس پر بھی اپنے انداز سے عمل کر لیا جاتا ہے، ورنہ عام حالات میں ہم شریعت کے قریب بھی نہیں پھٹکتے، بلکہ کوئی نہ کوئی حیلہ اختیار کرتے ہیں تاکہ کسی طرح شرعی احکام سے گریز کی راہ پا سکیں۔ چنانچہ ہمارے ہاں حدود آرڈیننس نافذ ہے، لیکن آج تک نہ کسی چور کا ہاتھ کٹا، نہ کسی غیر شادی شدہ زانی کو کوڑوں کی اور شادی شدہ زانی کو رجم کی سزا ہوئی ہے۔ گویا یہ ملک تو وہ ہے جہاں اس قسم کے جرائم ہوتے ہی نہیں۔ بہر کیف جو کچھ ہوا یہ قوم کی توقعات کے یکسر خلاف ہوا۔ اس پر میرا فوری تاثر یہ تھا کہ ہم نے ثابت کر دیا کہ ہم غلام ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ ہم نے ان کی بات ماننی تھی اور اس کے لیے کوئی راستہ نکالنا تھا۔ ریمنڈ ڈیوس کی رہائی صرف حکمران طبقے کی شکست نہیں ہے بلکہ پوری قوم کی شکست ہے۔ بہت سے کالم نگار لکھ رہے ہیں کہ آج اقوام عالم کے سامنے ہم سر اُٹھانے کے قابل نہیں رہے۔ ایک کالم نگار نے لکھا کہ چھ ارب انسانوں کے سامنے ہم بے نقاب ہو گئے ہیں، اور اب آنکھیں ملانے کے قابل نہیں رہے۔ امریکہ میں خوشی کے شادیانے بجائے جا رہے ہیں کہ ہم کس صفائی سے ریمنڈ کو لے اڑے۔ ہم اہل پاکستان یہ سمجھ رہے تھے کہ وفاقی حکومت بھی کچھ سٹینڈ لے رہی ہے اور اُس سے بھی بڑھ کر صوبائی حکومت سے توقعات وابستہ کر لی گئی تھیں۔ مگر معلوم ہوا کہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ اس حمام میں سب ننگے ہیں۔

قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے بارے میں دو مقامات پر یہ مضمون آیا ہے کہ اُن پر ذلت و مسکنت تھوپ دی گئی ہے۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا:

﴿وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ وَالۡمَسۡكَنَةُ ۗ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ﴿۶۱﴾﴾

”اور ذلت (و رسوائی) اور محتاجی (و بے نوائی) ان سے چمٹا دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہو گئے۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور (اس کے) نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے (یعنی) یہ اس لیے کہ نافرمانی کئے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے۔“

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوا:

﴿ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ اَيۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾﴾

”یہ جہاں نظر آئیں گے ذلت کو دیکھو گے کہ ان سے چمٹ رہی ہے بجز اس کے کہ یہ اللہ اور لوگوں کی پناہ میں آ جائیں اور یہ لوگ اللہ کے غضب میں گرفتار ہیں اور ناداری ان سے لپٹ رہی ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور (اس کے) پیغمبروں کو ناحق قتل کر دیتے تھے۔ یہ اس لیے کہ یہ نافرمانی کیے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے۔“

مسکنت محتاجی کو کہتے ہیں۔ یہ ایسی حالت ہے جس میں ایک انسان خود اپنے بل پر کھڑا نہیں ہو سکتا، وہ

دوسروں کی مدد کا محتاج ہوتا ہے۔ دیکھنے میں ٹھیک لگتا ہے، مگر اُس میں سکت نہیں ہوتی۔ جیسے آج ہم امریکہ بلکہ انڈیا کے خلاف کھڑے نہیں ہو سکتے۔ ہم میں اتنی ہمت نہیں کہ اپنی ایک بے گناہ بیٹی عافیہ صدیقی کو جو شدید ترین عذاب سے گزر رہی ہے، امریکہ کے چنگل سے نجات نہیں دلا سکیں۔ یہ ہماری بے بسی اور لاچاری کا عالم ہے۔ ہم سے یہ بھی نہ ہوا کہ ایک مردود امریکی غنڈہ جو ہمارے قابو میں آیا تھا، اس کے بدلے ہی عافیہ صدیقی کو چھڑوا لیتے۔ اسے کہتے ہیں مسکنت۔ ایک تو ہماری ذلت و رسوائی سارے پورے عالم میں ہو رہی ہے۔ دوسرے بے چارگی اور بے بسی کا یہ عالم کہ کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں۔ یہ عذاب کل بنی اسرائیل پر آیا تھا، اور آج ہم اِس کی لپیٹ میں آئے ہوئے ہیں۔

بنی اسرائیل کون ہیں؟ یہ سابقہ اُمت مسلمہ ہے۔ قرآن مجید میں ان کا بار بار ذکر عبرت پذیری کے لیے آتا ہے۔ قرآن بنیادی طور پر ہدایت اور رہنمائی ہے، یہ تاریخ کی کتاب نہیں ہے۔ اس میں تاریخ کے واقعات کا تذکرہ بھی ہدایت کے پہلو سے ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل ہم سے پہلے اس زمین پر اللہ کی نمائندہ اُمت تھے۔ اللہ نے انہیں تمام جہان والوں پر فضیلت عطا کی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چودہ سو برس اُس اُمت میں نبوت کا تار نہیں ٹوٹا۔ اُن کی تاریخ کا کوئی دور ایسا نہیں جو نبی اور رسول سے خالی ہو۔ جب بھی ایک نبی کا انتقال ہوتا تو اُس کی جگہ لینے کو دوسرا آ موجود ہوتا، بلکہ کبھی ایک وقت میں دو دو نبی بھی ہوئے ہیں۔ بنی اسرائیل کو کئی کتابیں اور بے شمار صحیفے عطا ہوئے۔ انہیں جو فضیلت حاصل تھی اُس میں کوئی اُن کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اُن پر ذلت و مسکنت کا عذاب مسلط کر دیا گیا؟ قرآن نے اس کا سبب بھی بتا دیا، تاکہ ہم اپنی اصلاح کر سکیں اور اپنے لیے راہ عمل کا تعین کر سکیں۔ تاریخ میں ان کی پیٹھ پر بار بار عذاب کے کوڑے برستے رہے۔ دو مرتبہ تو ان کا قبلہ بھی مسمار کیا گیا ہے، اور وہ سینکڑوں برس سے ان کے ہاتھوں سے نکلا رہا۔ بنی اسرائیل پر یہ عذاب کیوں آیا؟ ان پر ذلت و مسکنت کیوں تھوپ دی گئی؟ اس کے چار اسباب ہیں جو متذکرہ دونوں مقامات پر آئے ہیں۔ ایک سبب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اللہ کے احکامات کو توڑا۔ اللہ نے انہیں شریعت عطا کی تھی تاکہ اس کے مطابق زندگی گزاریں۔ انہوں نے اُسے اُٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔ اللہ نے انہیں قانون دیا تھا کہ میری دھرتی پر میرا نظام قائم کرو، انہوں نے اسے پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا۔ مسکنت کا دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ حد سے گزرنے والے تھے، وہ سرکشی کرنے والے تھے۔ تیسرا سبب یہ تھا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ چوتھا سبب یہ تھا کہ بنی اسرائیل دین دشمنی میں اتنا آگے نکل گئے کہ انبیاء کو بھی قتل کرنے لگے۔ غور کیجیے، کیا یہی جرائم آج ہمارے نہیں ہے۔ ہم بھی اللہ کی نافرمانی کے راستے پر چل رہے ہیں۔ ایک تو نافرمانی شخصی اعتبار سے ہے۔ اس حوالے سے اگر پورے اسلام پر عمل سے قطع نظر صرف نماز ہی کے معاملے کو دیکھا جائے تو صورت حال واضح ہو جاتی ہے۔ مسلمانانِ پاکستان میں سے کتنے ہیں جو اسلام کی کم سے کم شرط پنج وقتہ نماز کو پورا کرنے والے ہیں۔ ایسے لوگ بمشکل 8، 10 فیصد ہوں گے۔ گویا 90 فیصد وہ ہیں جو اس کم سے کم شرط کو بھی نہیں پورا کرتے۔ حرام خوری کے جو مختلف طریقے ہمارے ہاں کاروبار اور معاملات میں رائج ہیں، اُن کی کسی کو کوئی پرواہ ہی نہیں۔ نکاح کو سنت کے مطابق مسجد میں منعقد کرنے کی بجائے تقریب نکاح میں ہندوانہ کلچر کے مطابق بے پردگی، بے حیائی اور غیر اسلامی رسومات کے بدترین مظاہرے ہو رہے ہیں۔ اسی طرح اللہ نے ہمیں جو ہدایت نامہ دیا تھا، ہم نے اس کو اُٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔ ہم زندگی اپنی مرضی کے مطابق گزار رہے ہیں، نفسانی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔ گویا ہم زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں اللہ کی شریعت قبول نہیں، اللہ کا دین قبول نہیں، اللہ کا دستور قبول نہیں۔ تو پھر ذلت و مسکنت کا عذاب کیوں نہ مسلط ہوگا۔ یہودی نبیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ ہمارے ہاں یہ کام نہیں ہوا، اس لیے نہیں ہوا کہ نبی ﷺ کے بعد کوئی اور نبی ہے ہی نہیں۔ وہاں تو ہر دور میں نبی موجود رہا۔ لیکن ہم نے اہل حق کے ساتھ کیا کیا، تاریخ اُٹھا کر دیکھیں۔ اہل حق پابند سلاسل رہے، قید کے دوران ان کو موت آتی رہی اور اُن کا بائیکاٹ کیا جاتا رہا ہے۔ والد محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے ٹی وی پروگرام ''الہدیٰ'' کی بندش اِس کی ایک مثال ہے۔ ہم متذکرہ جرائم کے سبب عذاب میں مبتلا ہیں۔ لہٰذا ہم محض حکومت کو مورد الزام ٹھہرا کر بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔

ریمنڈ کیس میں قانون اور عدالتی نظام بری طرح مجروح کیا گیا۔ اس کیس میں دیت کے قانون کا سہارا لیا گیا ہے۔ حالانکہ حقیقت کے اعتبار سے ریمنڈ ڈیوس دیت کے قابل نہیں تھا۔ وہ دہشت گرد تھا، ریاستی مجرم تھا۔ اُس سے جو آلات اور ممنوعہ اسلحہ برآمد ہوا، وہ جاسوسی اور تخریب کاری کے لیے تھا اور اُس سے واضح ہو گیا تھا کہ وہ کس مشن پر ہے۔ لہٰذا اُس کے معاملے میں دیت کو لانا ہی بددیانتی ہے۔ دیت کا معاملہ تو قتل کے ایک سادہ کیس میں ہوتا تھا۔ معاشرے کے افراد میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا تو وہاں اسلام کا قانون یہ ہے کہ اگر مقتول کے ورثا دیت لے کر قاتل کو معاف کرنا چاہیں تو وہ معاف کر سکتے ہیں۔ انہیں کھلا اختیار دیا گیا۔ لیکن یہاں پر تو مسئلہ دہشت گردی کا اور ملک کی سلامتی کو نقصان پہنچانے کا تھا۔ یہ جاسوسی اور تخریب کاری کا معاملہ تھا۔ اس کی سزا قرآن مجید نے صاف صاف بتا دی کہ:

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَیَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ یُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ یُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَاَرۡجُلُہُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ یُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ؕ﴾ (سورۃ المائدۃ 33)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کو دوڑتے پھریں، ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا ان کے ایک ایک طرف کے ہاتھ اور ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیے جائیں یا ملک سے نکال دیے جائیں۔''

قاتل امریکی واردات قتل کے بعد عوام کے قابو میں آ گیا اور اُس کی خبر اخبارات اور ٹی وی چینلوں پر آ گئی، ورنہ حکومت تو پہلے دن ہی اُسے بڑے اہتمام اور احترام کے ساتھ رخصت کر دیتی۔ لیکن جب مجبوری میں کیس بنانا پڑ ہی گیا تو اس میں بھی پوری احتیاط کی گئی ہے۔ پہلی بددیانتی یہ کی گئی کہ حکومت ریمنڈ کیس انسداد دہشت گردی کی عدالت میں لے جانے کی بجائے اِسے عام قتل کیس بنا کر عام عدالت میں لے گئی۔ بعد ازاں مقدمے کے دوران بھی قانون کے بہت سے تقاضے پورے نہیں کیے گئے۔ اس لیے کہ طے تھا کہ اُسے چھوڑنا ہے، کوئی راستہ نکالنا ہے۔ بہرکیف ریمنڈ کی رہائی سے ہماری قومی رسوائی کا سامان ہوا ہے۔ جلتی پر تیل کا کام امریکی ڈرون حملے نے کیا ہے، جس میں 41 قبائلی مسلمان جاں بحق ہو گئے۔ ریمنڈ کی رہائی کے دوسرے دن امریکہ کی طرف سے یہ ڈرون حملہ اس بات کا اعلان تھا کہ تم دو بے گناہوں کی موت کے پر یہ واویلا کر رہے تھے، ہم نے ڈرون حملہ کر کے تمہارے 41 آدمی قتل کر دیئے ہیں، تم جو کر سکتے ہو، کر لو۔ یہ ہے امریکہ کی ڈھٹائی، چوری اور سینہ زوری، اور ہماری بے بسی اور ذلت و رسوائی۔ افسوس کی بات یہ بھی ہے کہ لاہور میں دو افراد کی شہادت پر تو عوام نے بھرپور احتجاج کیا، لیکن

پچھلے کئی سالوں سے قبائلی علاقوں میں ڈرون حملوں میں ہمارے جو بے گناہ بھائی مارے جا رہے ہیں، بچے، عورتیں، بوڑھے اور جوان شہید ہو رہے ہیں، اُس کے خلاف کوئی صدائے احتجاج بلند نہیں کی جا رہی۔ حالانکہ یہ دو افراد کے قتل سے بدرجہا بڑھ کر ظلم ہے۔ اس ظلم پر قوم کو کھڑا ہونا چاہیے تھا۔ اس ظلم کے خلاف آواز نہ اُٹھا کر ہم نے گویا یہ پیغام دیا ہے کہ دو لاہوریوں کا خون ان سینکڑوں ہزاروں لوگوں کے خون سے زیادہ قیمتی ہے جو قبائلی علاقوں میں مارے جا رہے ہیں۔ یہ ذلت و رسوائی جیسا کہ میں نے قرآن مجید سے ثابت کیا کہ اصل میں اللہ کی طرف سے قوم پر عذاب ہے۔ اور اس لیے ہے کہ جو جرائم بنی اسرائیل نے کیے اور جن پر انہیں سزا ملی وہی کام ہم بھی کر رہے ہیں۔ ہم اللہ کی شریعت کے مطابق نہ خود زندگی گزار رہے ہیں، نہ شریعت کو نافذ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ پھر یہ کہ اللہ پر توکل و اعتماد کی بجائے امریکہ کو سہارا بنائے ہوئے ہیں۔ ؎

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

لیکن سوال یہ ہے کہ موجودہ ذلت و مسکنت کا علاج کیا ہے؟ کیا اس کے ردعمل میں ہم لوگ حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں؟ کیا حکومت کی تبدیلی سے، یا چہرے بدلنے سے کوئی حقیقی فرق واقع ہو جائے گا؟ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو یہ جنت الحمقاء میں رہنے کے مترادف ہے۔ غور کیجیے، پرویز مشرف ہمارے سروں پر سوار تھا، تب بھی پوری قوم یہی کہہ رہی تھی کہ سارے فساد کی جڑ یہ شخص ہے، اس کو ہٹانا پڑے گا، مگر جب اُس کو ہٹا دیا گیا تو کیا تبدیلی آ گئی؟ پرنالہ تو وہیں کا وہیں رہا۔ اس کے بعد زرداری آیا تو کیا وہ مشرف سے بھی چار ہاتھ آگے نہیں ہے۔ یاد رکھیے، جب تک بحیثیت مجموعی ہم اپنی اصلاح نہیں کرتے، اور جن جرائم کی سزا کے طور پر ہم پر ذلت و مسکنت کا عذاب مسلط ہے، ان سے باز نہیں آتے تب تک ہمارے حالات نہیں سنوریں گے۔ محض چہروں کی تبدیلی سے کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔ امریکہ کا یہ طریقہ واردات ہے کہ جو شخص نفرت کا نشان بن جائے، اُس کو اقتدار سے ہٹانا ضروری سمجھتا ہے۔ وہ اس کی جگہ ایک نیا آدمی تلاش کرتا ہے۔ ممکن ہے اِس وقت امریکہ کی یہی خواہش ہو کہ حکومت کو بدلا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں زرداری سے بھی کوئی بہتر آدمی مل گیا ہو۔ میرا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ قوم کو حکومت کے خلاف کھڑے نہیں ہونا چاہیے۔ حکومت کے خلاف قوم کو کھڑا ہونا چاہیے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ جو چیز ضروری ہے وہ یہ ہے کہ قوم اپنا قبلہ بھی درست کرے۔ تب ہی حالات سنوریں گے، ورنہ حکومت کی تبدیلی کے باوجود وہی پالیسیاں برقرار رہیں گی۔

یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ طالبان کی شاندار مزاحمت سے سبق سیکھنے کو تیار نہیں۔ ہم اس وقت بھی امریکہ کے سامنے کھڑے ہونے پر آمادہ نہیں جبکہ افغانستان میں شکست امریکہ کا مقدر بنی ہوئی ہے۔ اور معاشی اعتبار سے وہ کمزور ہو چکا ہے۔ پھر اس حقیقت کے ادراک کے باوجود کہ امریکہ نہتے طالبان سے شکست کا بدلہ ایٹمی پاکستان سے لینا چاہ رہا ہے، ہم امریکہ سامنے ڈٹ جانے کے لیے تیار نہیں۔ اگرچہ حالیہ ڈرون حملے پر ہماری حکومت نے احتجاج کیا۔ آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی کا بھی بیان آیا۔ کچھ دبے لفظوں میں یہ بات بھی آ رہی ہے کہ اب ڈرون حملہ ہوگا تو ہم جوابی کارروائی بھی کریں گے۔ تاہم ضرورت اس بات کی ہے کہ ڈھیلے ڈھالے احتجاج کی بجائے حکمران ملک کی بقا و سلامتی کی خاطر امریکہ کے سامنے ڈٹ جائیں۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو یہ ملک تباہ ہو جائے گا۔ بظاہر تو یہی لگتا ہے کہ اب امریکہ اپنی جنگ پاکستان لانا چاہتا ہے اور وہ نہتے طالبان کی شکست کا بدلہ ایٹمی صلاحیت رکھنے والے پاکستان سے لینے کا خواہاں ہے۔ کیونکہ اُسے معلوم ہے کہ ایٹمی طاقت ہونے کے باوجود یہ ملک کمزور ہے۔ یہاں کسی میں بھی کھڑے ہونے کی سکت نہیں ہے۔ ایٹم بم کی حفاظت ہی ان کے لیے مسئلہ بنا ہوا ہے۔

قوم کو یہ بات جان لینی چاہیے کہ اس تمام صورتحال کے باوجود اگر ایک اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہو تو پھر امریکہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ قرآن مجید نے یہ اٹل اصول بیان کیا ہے، اور اسی کا مظہر طالبان کی کامیاب مزاحمت سے سامنے آیا ہے کہ: ''اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے؟ اور مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسا رکھیں۔'' (سورۂ آل عمران:160) اللہ تعالیٰ کل کائنات کا مالک ہے، شہنشاہِ ارض و سمٰوٰت ہے۔ اگر اللہ کی نصرت ہمیں حاصل ہو جائے تو سپر پاور امریکہ ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ پھر کوئی قوت ہمارے سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔ لیکن اللہ کی مدد یونہی نہیں آ جائے گی۔ اس کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ ہم اللہ سے وفاداری کریں۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے بلکہ وہی روش اپنائے رکھتے ہیں جس پر بنی اسرائیل چلے، ہم بھی اللہ کی شریعت کو ماننے کی بجائے اس کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ اور رسول کے راستے کو چھوڑ کر اور شیطان کے راستے پر چلتے ہیں، اللہ کے باغیوں کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھاتے ہیں، ان کی صف میں شامل ہو کر اللہ والوں کا قتل عام کرتے ہیں تو پھر اللہ کی مدد نہیں آئے گی، پھر تو اللہ کا غضب ہی نازل ہوگا، اور تباہی آئے گی، جیسے کہ اس وقت آئی ہوئی ہے۔ اس وقت ہماری معاشی حالت یہ ہے کہ غریب آدمی کے لیے 24 گھنٹے گزارنا مشکل ہو چکا ہے۔ لوگوں کو دو وقت کی روٹی میسر نہیں۔ مہنگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ اب آئی ایم ایف کے دباؤ پر قوم پر مہنگائی کا مزید بوجھ ڈالا جا رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اب خونی انقلاب کے لیے راہ ہموار ہو رہی ہے۔ غریب اُٹھ کھڑے ہوں گے اور جو اس معاشرے میں پیٹ بھرے ہیں ان کے پیٹ چاک کریں گے۔ اسی طرح ملک میں بالخصوص کراچی میں ٹارگٹ کلنگ ہو رہی ہے۔ آئے روز لاشیں گر رہی ہیں۔ ہم تباہی کے دہانے پر پہنچے ہوئے ہیں۔ ہمیں اللہ کی وفاداری کے راستے پر چلتے ہوئے ٹیپو سلطان کے اس قول کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ ''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی ہزار سالہ زندگی سے بہتر ہے۔'' مگر ہم زبانِ حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں گیدڑ ہی کی زندگی چاہیے۔ جس طرح یہودی زندگی کے حریص تھے، ہم بھی زیادہ لمبی عمر کے طالب ہیں۔ عزت، غیرت سے کوئی سروکار نہیں، چاہے غلام بن کر رہیں، ذلیل ہو کر رہیں، گیدڑ بن کر رہیں، دین کو چھوڑ دیں، امریکی دباؤ پر ہر چیز قربان کر دیں، دین، مذہب، اسلامی اقدار، کلچر، ثقافت، سب چھوڑ دیں۔ بس ہمیں امریکی ایڈ ملتی رہے۔ یہ رسوا کن زندگی زندگی نہیں، قوم کی موت ہے۔ ؎

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

ان حالات میں ایک زبردست تحریک کی ضرورت ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ہم پہلے خود اللہ کا دامن تھامیں، عزم کریں کہ اپنا قبلہ درست کریں گے۔ جن جرائم کی وجہ سے آج ہم یہاں تک پہنچے ہیں ان جرائم کا ازالہ کریں گے۔ ہر شخص اپنی ذات سے اسلام پر عمل شروع کرے۔ اللہ سے، اللہ کے نبی سے وفاداری کرے۔ پھر اللہ کی رحمت ہمارے شامل حال ہوگی۔ اقبال نے کہا تھا ؎

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

لیکن اگر ہم ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو پھر صرف چہرہ بدلنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح رخ پر سوچنے اور صحیح رخ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

قراردادِ پاکستان سے قراردادِ مقاصد تک

ضمیر اختر خان

ملت اسلامیہ پاکستان نے چندروز پہلے یومِ پاکستان منایا۔ یہ دن اُس قرارداد کے حوالے سے منایا جاتا ہے جو اسلامیان ہند نے قائداعظم محمد علی جناح کی سرکردگی میں بادشاہی مسجد لاہور کے پہلو میں 23 مارچ 1940ء کو منظور کی تھی۔ ابتدا میں یہ ''قرارداد لاہور'' کہلائی مگر جلد ہی ہندوؤں کے پروپیگنڈے نے اس کو ''قرارداد پاکستان'' میں بدل دیا۔ پھر پورے برعظیم کے مسلمانوں نے اس کو اپنی آرزوؤں کا مرکز بنالیا اور کُل سات برس میں پاکستان بن گیا۔ قیام پاکستان کے دوسال بعد اسی ملت اسلامیہ نے جواب ہند کی بجائے پاکستان کہلاتی تھی، ایک اور قرارداد منظور کی جو ''قرارداد مقاصد'' کہلائی۔ مگر حیرت ہے کہ 61 برس بیت گئے، اس کو تاحال عملی جامہ نہیں پہنایا جاسکا۔ کہاں وہ بلندی اور کہاں یہ پستی۔ یقین نہیں آتا کہ یہ وہی قوم ہے جس نے ایک طرف ہندو جیسی چالاک قوم سے اپنا حق آزادی منوایا اور دوسری طرف انگریز جیسی مکار قوم سے گلوخلاصی حاصل کی۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ہم اپنی اداؤں پر غور کریں کہ ہم کیا تھے اور کیا ہوگئے؟ ذرا کلام اللہ کی اس روح پرور آواز پر توجہ دیں، شاید کایا پلٹ جائے۔

﴿اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِكۡرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۙ﴾ (الحدید:16)

''کیا اہل ایمان کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاددہانی اور اس حق کے آگے جھک جائیں جو نازل ہوچکا ہے۔''

ہم نے اللہ کی خصوصی مدد سے یہ ملک قائم کیا تھا اور ایک عظیم مقصد کے لیے ساری جدوجہد کی گئی تھی۔ وہ مقصد اُس نعرے میں پنہاں تھا جس نے مسلمانوں کے اندر ایک جوش اور ولولہ پیدا کیا اور انہیں منزل کا شعور دیا۔ وہ نعرہ تھا ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ''۔ اس نعرے کی طاقت نے پاکستان کے قیام کو ممکن بنایا۔ مقصد کے شعور نے ہی ہمیں قیام پاکستان کے بعد وہ دستور العمل ترتیب دینے کی طرف متوجہ کیا، جو قرارداد مقاصد میں بیان کیا گیا ہے۔ اس قرارداد میں یہ درج ہے کہ ''اللہ تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے۔ اس نے جمہور کے ذریعے مملکت پاکستان کو جو اختیار سونپا ہے، وہ اس کی مقررہ حدود کے اندر مقدس امانت کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔ مجلس دستور ساز نے جو جمہور پاکستان کی نمائندہ ہے، آزاد و خودمختار پاکستان کے لیے ایک دستور مرتب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔۔۔۔ جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو قرآن وسنت میں درج اسلامی تعلیمات ومقتضیات کے مطابق ترتیب دے سکیں۔ تاکہ اہل پاکستان فلاح و بہبود کی منزل پاسکیں اور اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز وممتاز مقام حاصل کریں اور امن عالم اور بنی نوع انسان کی ترقی وخوشحالی کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کرسکیں۔''

ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ قرارداد مقاصد میں بیان کردہ یہ اہداف حاصل کرنے میں ہم نے اتنی تاخیر کیوں کی۔ اللہ کی حاکمیت اس ملک میں جاری نہ کر کے ہم ایک سزا تو مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی صورت میں بھگت چکے ہیں۔ مزید تاخیر سے کہیں کسی بڑے سانحے سے دوچار نہ ہوجائیں۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔ اس وقت جس بدترین حالت کا ہم شکار ہیں، اس کا سبب بھی یہی ہے کہ قومی وملی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ہم نے مجرمانہ غفلت برتی ہے، اب اس کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ کہاں تو امن عالم اور بنی نوع انسان کی ترقی وخوشحالی میں ہم نے اپنا کردار ادا کرنا تھا اور کہاں یہ کہ اپنا آپ بھی نہیں سنبھل رہا۔ ؏ پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے۔ آیئے، قرارداد پاکستان سے سبق حاصل کرتے ہوئے قرارداد مقاصد میں طے شدہ لائحہ عمل اختیار کریں۔ اگر قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد سات سال کی قلیل مدت میں ہم اتنا بڑا ملک حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسی طرح کی جدوجہد کر کے اللہ کی نصرت وتائید کے ساتھ ہم پاکستان کی اصل منزل (نظام اسلامی کا قیام) حاصل نہ کرسکیں۔ کچھ لوگ یہ عذر پیش کررہے ہیں کہ اب ہمارے پاس ویسی قیادت نہیں جو قیام پاکستان کی منزل تک پہنچنے میں ہماری رہنمائی کرسکے۔ یہ بات درست ہے مگر اللہ کا وعدہ ہے کہ اگر ہم انفرادی سطح پر قرآن وسنت کی تعلیمات کو اپنائیں اور اجتماعی زندگی میں ان پاکیزہ تعلیمات کو جاری کرنے کی سعی وجہد کریں تو وہ ہماری ضرور مدد فرمائے گا۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ یَنۡصُرۡكُمۡ وَیُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ ۝﴾ (سورۃ محمد)

''اے اہل ایمان! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔''

پھر فرمایا:

﴿اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَیَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡاَشۡهَادُ ۝﴾ (المؤمن)

''ہم اپنے پیغمبروں کی اور اہل ایمان کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (یعنی قیامت کو بھی)۔''

شرط یقین کامل اور اخلاص سے جہد مسلسل کی ہے۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اللہ کی نصرت ومدد حاصل کی تھی۔ اِس نصرت وحمایت کا وعدہ تمام اہل ایمان سے بھی ہے۔ فرمایا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۪ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِیۡنَهُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَهُمۡ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا ؕ﴾ (النور:55)

''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا فرمائی تھی اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے مستحکم وپائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا۔''

(باقی صفحہ 15 پر)

بسلسلۂ آنحضور ﷺ پر نبوت و رسالت کی تکمیل (iii)

نبی اکرم ﷺ پر تکمیلِ نبوت ورسالت کے مظاہر

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا فکر انگیز خطاب

اب آیئے، اس بات پر غور کریں کہ آپؐ کی ذات مبارکہ پر نبوت و رسالت کے کامل ہونے کے مظاہر کیا ہیں۔ کن چیزوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ آپؐ پر نبوت و رسالت کامل ہو گئی۔ اس ضمن میں بہت اہم اور توجہ طلب آیت مقصد بعثت سے متعلق آیت ہے، جس کا پیچھے ذکر ہوا ہے، یعنی ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ......﴾ اس آیت میں حضور ﷺ پر نبوت و رسالت کی تکمیل کے تین مظاہر بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے دو مظاہر تکمیل نبوت کے ہیں اور ایک مظہر تکمیل رسالت کا ہے۔ رسالت کی تکمیل کا ایک اور مظہر دوسرے مقامات پر آیا ہے۔

یہ سوال کہ نبوت و رسالت میں کوئی فرق ہے یا یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں، ایک مشکل اور پیچیدہ سوال ہے۔ اس وقت اس پر بحث مقصود نہیں کہ نبی کون ہوتا ہے اور رسول کون ہوتا ہے۔ یہ ایک علمی مسئلہ ہے۔ اس بارے میں میں نے اپنا موقف کئی مرتبہ اپنے دروس میں بیان کیا ہے۔ تاہم یہ بات واضح ہو جائے کہ اگر ایک شخص نبی بھی ہے اور رسول بھی ہے، تو اس کی ذات میں رسالت اور نبوت میں کیا نسبت ہے۔ نبوت و رسالت میں نسبت کا وہی معاملہ ہے جو ایک شخص کے دونوں ہاتھوں کا ہے جو باہم جڑے ہوئے ہوں۔ ایک ہاتھ کا رُخ ایک طرف اور دوسرے ہاتھ کا دوسری جانب ہوتا ہے۔ نبوت کا رخ آسمان کی جانب یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ یہ اللہ سے لینے والا معاملہ ہے۔ چنانچہ اللہ کی طرف سے نبی پر وحی آتی ہے۔ اس کے برعکس رسالت کا رخ زمین یعنی بندگان خدا کی طرف ہے۔ رسالت پیغام کا پہنچانا ہے۔ چنانچہ اللہ حکم دیتا ہے کہ میرے پیغام کو پہنچاؤ۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا: ﴿اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی﴾ (سورۃ طٰہٰ: 24) ''جاؤ فرعون کی طرف کہ اُس نے سرکشی کی ہے۔'' تصوف میں یہ بحث چلتی ہے کہ نبوت بلند تر ہے یا رسالت۔ اکثر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ رسالت بلند تر ہے۔ یہ نبوت سے اونچا مقام ہے۔ رسولوں کی تعداد صرف 313 ہے، جبکہ نبی ایک لاکھ سے زائد آئے ہیں۔ مولانا رومی اس کے برعکس رائے رکھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک بلند تر درجہ نبوت ہے، رسالت نہیں۔ اس لیے کہ نبوت کا رخ اللہ کی طرف ہے۔ یہ انٹینا اُدھر سے ہے۔ نبوت مرتبہ عروج میں ہے۔ رسالت مرتبۂ نزول میں ہے۔ غار حرا میں رسول خداؐ بلندی کے مراحل طے کر رہے تھے، اور جب آپؐ وہاں سے اُتر کر لوگوں کی طرف آئے تاکہ پیغام حق پہنچائیں، تو یہ گویا مرتبۂ نزول تھا۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں عطا فرمائیں۔ ایک ''الہدیٰ'' اور دوسری ''دین حق''، یعنی سچا اور کامل دین، عدل وانصاف کے بلند ترین معیارات پر پورا اُترنے والا دین۔ یہ دو چیزیں جو آپؐ کو عطا کی گئیں، قبل ازیں ان دونوں میں ارتقائی مراحل طے ہوئے۔ قرآن حکیم میں صحف ابراہیم کا ذکر آیا ہے، اگرچہ ہمیں معلوم نہیں کہ آج صحف ابراہیمؑ کہاں ہیں بلکہ دنیا میں کہیں ہیں بھی یا نہیں! میرا گمان ہے، اگرچہ یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ ہندوؤں کے پاس جو اُپنشد ہے، وہ صحفِ ابراہیمی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ برہمہ کا لفظ بھی درحقیقت لفظ ابراہیم علیہ السلام کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح عیساؤں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا لیا، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل کے بادشاہوں نے انہیں اپنا برہمہ (خدا) بنا لیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام تھے، آخران پر بھی تو کوئی صحیفہ آیا ہوگا۔ قرآن میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ مسٹر ڈیبوئس ایک فرنچ سکالر اور محقق تھا۔ اس نے انڈیا میں ہندو سکرپچرز کے تفصیلی مطالعے پر چالیس برس لگائے۔ اس کا کہنا ہے کہ ہندوؤں میں جو منُو ہے، جو مہانوح ہے وہ دراصل حضرت نوح علیہ السلام کا بگڑا ہوا نام ہے۔ ہندی میں ''مہا'' کسی بڑی شخصیت کے لیے آتا ہے جیسے مہا آتما۔ اس نسبت سے گاندھی کو مہاتما گاندھی کہا جاتا ہے۔ منوسمرتی کے متعلق اس کا کہنا ہے کہ یہ دراصل وہ صحیفہ تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کو دیا گیا (واللہ اعلم)۔ میرا خیال ہے کہ ان چیزوں میں علمی طور پر کھوج لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تاہم یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا، سوائے اس چیز کے جو قرآن میں آ گئی۔ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے بعد بے شمار انبیاء پر صحیفے آئے۔ پھر تورات، زبور اور انجیل نازل ہوئیں۔ ان سب کتابوں میں لوگوں کے لیے ہدایت اور روشنی تھی جیسا کہ سورۃ المائدہ (آیت 44) میں فرمایا: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًی وَّنُوْرٌ ۚ﴾ ''بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔'' لیکن یہ ہدایت ابھی ابتدائی مراحل میں تھی، ابھی مکمل نہ ہو پائی تھی۔ قرآن حکیم پر آ کر اس ہدایت کی تکمیل ہو گئی۔ چنانچہ قرآن کو ''الہدیٰ'' کہا گیا ہے۔ یوں سمجھئے، پہلے انسان ذہنی وفکری اعتبار سے عہد طفولیت میں تھا۔ وہ جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا، ہدایت بھی ترقی کرتی گئی۔ ایک پرائمری کے طالب علم کے لیے اگر آپ پی ایچ ڈی ٹیوٹر رکھ دیں گے تو وہ اسے پی ایچ ڈی نہیں کرا سکے گا؟ اس لیے کہ بچے کا ذہنی افق ابھی بلند نہیں ہے۔ وہ اس کی ذہنی سطح کے مطابق ہی پڑھا پائے گا۔ اگرچہ اس کے پاس علم کا خزانہ ہے، مگر جس کو دینا ہے، اُسے اس کی استعداد کو پیش نظر رکھ کر دینا ہوگا۔

آنحضور ﷺ کی بعثت حضرت آدم علیہ السلام کے کم وبیش چھ ہزار سال بعد ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ذہنی وفکری، فلسفیانہ اور منطقی بحثوں اور مابعد الطبیعیات کے اعتبار سے انسان بالغ ہو چکا تھا۔ عجیب بات ہے کہ اسلام سے قبل کے تاریخ انسانی کے 1200 سال (600 ق م تا 600 عیسوی) ہی وہ عرصہ ہے جس میں مروجہ تمام مذاہب اور فلسفے پیدا ہوئے۔ اِسی عرصے میں بدھ ازم، جین ازم، کنفیوشش ازم اور تاؤازم آئے۔ اسی دور میں سقراط اور بقراط آئے۔ اسی عرصے میں مانی وانی آئے۔ وجود کی حقیقت کیا ہے؟ کائنات کیا ہے؟ اس کی ابتدا اور انتہا کیا ہے؟ ہماری زندگی کی ابتدا اور انتہا کہاں ہے۔ ہم کہاں سے آئے اور کہاں جا رہے ہیں؟

سنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

یہ سارے سوالات وہ ہیں جن پر فلسفی غور کرتے رہے۔ اس عرصے میں چین، ہندوستان، ایران اور یونان کے فلسفیوں نے اس بارے میں اپنے اپنے نظریات اور خیالات پیش کیے، اور انہی کے فلسفوں کو شہرت ملی۔ بہرکیف جب ان 1200 سالوں کے دوران انسانی ذہن فلسفیانہ اور منطقی اعتبار سے اپنے عروج کو پہنچ گیا، تب رسول اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی اور الہدیٰ، کامل ہدایت کے نزول کا آخری مرحلہ آیا۔ نزول وحی سے قبل آپؐ غار حرا میں تشریف لے جاتے اور وہاں غور وفکر اور سوچ بچار کرتے تھے۔ دنیا میں غلط کام کیوں ہو رہے ہیں؟ ظلم و ناانصافی کا چلن کیوں عام ہے؟ انسان اس قدر پستی میں کیوں گر گیا ہے؟ کیا انسان میں پستی ہی پستی ہے یا اس کے وجود کا کوئی روشن پہلو بھی ہے؟ یوں سمجھئے، چھ ہزار سال میں انسان نے جو فلسفیانہ شعور حاصل کیا ہے، وہ سارا سفر محمد رسول اللہ ﷺ نے غار حرا کی خلوتوں میں چند مہینوں میں طے کیا۔ اس کے بعد آپؐ پر آیات قرآنی نازل ہونی شروع ہوئیں اور تیئس سالوں میں ''الہدیٰ'' کی تکمیل ہوگئی۔

تکمیل ہدایت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے کسی گزشتہ پیغام کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ اس کی تکمیل ہو چکی اور اس کی حفاظت کا ذمہ دار میں ہوں، مگر قرآن کے متعلق فرمایا: ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝۹﴾ (الحجر) ''بے شک ہم نے ہی یہ ''الذکر'' نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' اللہ نے دوسری کتب سماوی تورات، زبور، انجیل وغیرہ کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا۔ چنانچہ ان میں تحریف ہوگئی۔ اگر اللہ اُن کی حفاظت کا ذمہ لے لیتا تو ان میں کبھی تحریف نہ ہو سکتی تھی۔ اگر اللہ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ نہ لیا ہوتا تو ہم بھی قرآن میں تحریف کیے بغیر نہ رہتے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ قرآن کے ترجموں اور تفسیروں میں تحریفیں کی گئی ہیں۔ پھر متن میں تحریف کیوں نہ ہوتی۔ مگر اس کا متن اس لیے محفوظ ہے کہ اللہ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ میں لطیف انداز میں یہ کہا کرتا ہوں کہ سابقہ آسمانی کتابوں کو حق پہنچتا ہے کہ اللہ کی جناب میں شکوہ کریں کہ اے اللہ، ہم بھی تیری کتابیں تھیں، قرآن بھی تیری کتاب تھی، تو پھر تو نے کیوں ہمارے ساتھ سوتیلی بیٹیوں والا سلوک کیا۔ تو نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا، ہماری حفاظت کا ذمہ کیوں نہیں لیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دیکھو، ابھی تمہارے اندر ہدایت کامل نہیں ہوئی تھی۔ تمہاری حیثیت مختلف ادوار میں عبوری ہدایات کی تھی جبکہ ابھی ہدایت کا کامل اور مکمل ایڈیشن ''الہدیٰ'' نہیں آیا تھا۔ تمہارے اندر احکام ہی دیے گئے تھے، ابھی حکمت نہیں آئی تھی۔ اگرچہ انجیل میں حکمت آئی تھی، مگر ابھی اس کا آغاز ہی ہوا تھا، جبکہ تورات میں تو سرے سے حکمت تھی ہی نہیں۔ اُس میں احکام ہی احکام تھے، بلکہ بائبل کے سب سے نمایاں الفاظ ہی The Ten Commandments (احکام عشرہ) ہیں۔ انسان ابھی اس قابل نہیں تھا کہ اس کو حکمت سمجھائی جاتی۔ لہٰذا عبوری دور کی تعلیمات ہونے کے سبب سابقہ کتب کی حفاظت کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن جب ہدایت اور حکمت کی تکمیل ہوگئی، تو اللہ نے اس کو محفوظ کر لیا۔

ایک دفعہ ایک قادیانی نوجوان مجھ سے ملنے آیا۔ مجھ سے سوال کیا کہ وحی و نبوت تو رحمت ہے۔ ٹھیک ہے، محمد ﷺ پر رحمت کامل ہوگئی، مگر رحمت بند کیسے ہو سکتی ہے؟ میں نے پوچھا، کیا تم یہ مانتے ہو کہ قرآن میں ہدایت کامل ہوگئی۔ کہنے لگا، جی بالکل۔ میں نے کہا، یہ بتاؤ کہ کیا تمہارے خیال میں قرآن محفوظ ہے یا اس میں تحریف ہوگئی۔ اُس نے کہا، کیوں نہیں، یہ تو محفوظ ہے۔ میں نے کہا، جب یہ قرآن مکمل بھی ہے اور محفوظ بھی تو پھر مزید ہدایت کی گنجائش کہاں سے نکلے گی۔ یا تو یہ ہدایت محفوظ نہ ہوتی، یا پھر یہ کامل نہ ہوتی، پھر ہم کہہ سکتے تھے کہ یہ محفوظ نہیں ہے، یا ابھی ادھوری ہے، ابھی کامل ہونی ہے، لہٰذا سلسلہ نبوت ابھی جاری رہنا چاہیے، مگر جب ہدایت محفوظ بھی ہے اور کامل بھی ہوگئی، تو مزید ہدایت کی ضرورت کیسے باقی رہ سکتی ہے۔ گلاس ابھی پورا بھرا نہ ہو تو پانی ڈالنا چاہیے۔ گلاس لبالب بھر جائے تو اس میں اور پانی کیسے ڈالیں گے۔ میں نے کہا کہ جب قرآن میں ہدایت کامل ہوگئی اور اللہ نے قرآن کو محفوظ بنا لیا تو پھر اس بات کے لیے قطعاً کوئی منطقی اور عقلی دلیل نہیں ہے کہ نبوت اور وحی کے جاری رہنے کا تصور بھی کیا جا سکے۔ وہ نوجوان جھگڑالو نہیں تھا۔ میری بات کو سمجھ گیا اور مبہوت ہو کر رہ گیا۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ تکمیل دین اور تکمیل ہدایت کے حوالے سے اگر ہم حضور ﷺ کے مرتبہ و مقام کو نمایاں نہیں کرتے، تو پھر جتنے بھی فتنے سر اُٹھائیں گے، ان کا سد باب نہیں ہو سکے گا۔

اب آیئے، دوسری بات کی طرف! دوسری چیز جو اللہ نے آپؐ کو عطا کی وہ دین حق ہے۔ دین حق کیا ہے؟ یہ مکمل نظام زندگی ہے۔ اس کا بھی ارتقا ہوا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب ہمارے آباء و اجداد غاروں میں رہتے تھے۔ اُس وقت کوئی اجتماعی نظام نہیں تھا۔ کوئی میونسپلٹی نہیں تھی۔ ہر شخص آزاد تھا۔ اگلی سٹیج آئی تو قبیلے کے نظام نے جنم لیا۔ ہر قبیلہ کا ایک اپنا نظام ہوتا تھا۔ افراد قبیلہ کے لیے قبیلے کے سردار کا حکم ماننا لازمی تھا۔ قبیلے کی روایات باعث فخر سمجھی جاتی تھیں۔ لوگ کہتے کہ یہ ہمارے قبیلے کا رواج ہے، یہ ہماری رسم ہے، یہ ہماری رِیت ہے وغیرہ۔ اگر غور کیا جائے تو قبائلی زندگی انسان کا تمدن کی طرف پہلا قدم تھا۔ اس لیے کہ اس سے پہلے انسان کو کامل آزادی حاصل تھی، اب یہاں اُس پر قدغن لگنی شروع ہوگئی۔ انسان یہاں آ کر پابند ہو گیا کہ بہر صورت قبیلہ کی رسم پوری کرے گا اور قبیلہ کی روایت پر چلے گا، خواہ وہ رسم اور روایت اُسے پسند ہو یا ناپسند۔ اس کے بعد اگلا دور آیا تو ایک قبیلے نے اپنا ایک شہر بھی بنا لیا۔ اُس کے گرد ایک فصیل بھی کھینچ لی اور اپنے نظام کو اور مستحکم کر لیا۔ اس طرح ایک قبیلے کی شہری ریاست قائم ہوگئی۔ جب حضور ﷺ کی بعثت ہوئی ہے مکہ مکرمہ بھی ایک قبیلے کی شہری ریاست تھا۔ وہاں وہی شخص رہ سکتا تھا جو قرشی ہو، یا کسی قرشی کا حلیف ہو یا اُس کا غلام ہو یا اُس کی امان میں آ جائے۔ مکہ میں کوئی دوسرا نہیں رہ سکتا تھا۔ اُس کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں تھی۔ پھر اگلا دور

آیا تو کئی قبیلے ایک جگہ جمع ہوگئے اور ساتھ مل کر رہنے لگے۔ قبائل کے باہم مل کر رہنے سے یہ سوال پیدا ہوا کہ اُن کا آپس میں انٹریکشن کس بنیاد پر ہوگا۔ ظاہر ہے، مختلف قبیلے ہیں، اُن کے سردار مختلف ہیں، اُن کا نظام الگ الگ ہے۔ اگر ایک شہر میں رہنا ہے تو کچھ چیزیں تو آپس میں بہرحال طے کرنی پڑیں گی۔ یہیں سے گویا آئین و دستور کے تصور کا آغاز ہوا۔ آپ حیران ہوں گے مدینہ منورہ بھی پانچ قبیلوں پر مشتمل ایک بستی تھی۔ تین قبائل یہودی تھے یعنی بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع اور دو عرب قبیلے تھے یعنی اوس اور خزرج۔ یہودیوں کا اپنا الگ نظام تھا۔ ان کے ہاں سردار تھے، مفتی اور علماء تھے۔ وہ تورات کے ماننے والے تھے۔ عرب قبائل اوس اور خزرج کے ہاں یہ طے تھا کہ اگر اوس کا کوئی نوجوان کسی خزرجی کو قتل کر دے گا تو اُسے تین گنا دیت ادا کرنی ہوگی، اور اگر کوئی خزرجی اوسی کو قتل کرے گا تو اُسے صرف ایک تہائی دینی پڑے گی۔ ذرا سوچیے، اس صورتحال پر کسی اوسی نوجوان کا خون کس قدر کھولتا ہوگا کہ خزرجی کے مقابلے میں میرے خون کی قیمت ایک تہائی ہے۔ اس کے بعد اگلے مرحلے پر سلطنتیں قائم ہوئیں۔ جیسے عرب کے شمال میں کئی سو سال سے دو سلطنتیں تھیں: سلطنت روما اور سلطنت ایران۔ سلطنتیں وجود میں آئیں تو اب محلات کھڑے کئے گئے، فوجیں بنائی گئیں جو تربیت یافتہ اور مسلح تھیں۔ پھر بادشاہوں نے عوام کی گردنوں پر اپنی بادشاہی اور خدائی کا تخت رکھا۔ عوام پر ظلم ڈھائے جانے لگے۔ محنت مزدور کرتا اور اُس کی کمائی پر عیش بادشاہ اور جاگیردار کرتا تھا۔ اگر کوئی شخص بادشاہ کے ظلم کے خلاف سر اُٹھاتا، تو فوجیں اُس کا سر کچل دیتی تھیں۔ مثلاً ایک شخص کپڑا بن رہا ہے تو اُس سے کہا جاتا کہ تمہیں اتنا ٹیکس دینا ہوگا ورنہ تمہارا سر کچل دیا جائے گا۔ یہ ظالمانہ نظام جب ظلم کی انتہا کو پہنچ گیا تو انسان غلام، مجبور، مقہور اور مظلوم بن کر رہ گیا۔ اس کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ ہوتا۔ اس کے مقابلے میں جاگیردار گلچھرے اڑانے لگے۔ بادشاہوں کے محلات میں مشرق و مغرب کا نسوانی حسن جمع کیا جانے لگا۔ کنیزوں کی فوجوں کی فوجیں لائیں گئیں۔ یہی وقت تھا جب محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔

ایک بات اور نوٹ کیجیے۔ اس دور سے لے کر آج تک انسان کی اصل ضرورت ایک عادلانہ نظام ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے انسان کی اس ضرورت کو بتمام و کمال پورا کیا۔ اُسے عادلانہ نظام عطا فرمایا۔ مگر افسوس کہ اس نظام سے انحراف کر کے انسان آج پھر ظالمانہ نظام کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔ آج کا نظام کیا ہے؟ آسمانی تعلیمات سے بے گانہ پابندیاں۔ جو چیز حکومت طے کر دے گی آپ اس کے پابند ہوں گے۔ فرض کریں کہ آپ کی حکومت طے کر دے کہ بچوں کو فلاں فلاں نصاب پڑھایا جائے گا۔ اب آپ اُس نصاب سے ادھر اُدھر نہیں ہو سکتے۔ آپ نے بچے کو سکول میں داخل کروا دیا۔ اس کے بعد بچے کے نصاب کے حوالے سے آپ کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے۔ بچہ وہی پڑھے گا جو سرکار پڑھائے گی۔ اور یہ نصاب بنانے والے کون لوگ ہیں؟ یہ وہی قوتیں ہیں جو اسلام کی دشمن ہیں۔ آج امریکہ پوری اسلامی دنیا بالخصوص سعودی عرب اور پاکستان کے نصاب سے اسلام کو کھرچ کھرچ کر نکال رہا ہے۔ حکمرانوں کو ڈکٹیٹ کرایا جا رہا ہے کہ نصاب سے جہاد کا ذکر نکالو۔ ہم اہل پاکستان سے بتکرار یہ کہا جا رہا ہے کہ اپنی تاریخ سے تحریک پاکستان کا ذکر نکالو۔ نصاب تاریخ میں کوئی نظریاتی حوالہ نہیں ہونا چاہیے۔ اسی طرح ہندو دشمنی کی بات نہیں ہونی چاہیے۔ اس صورتحال میں ہم اپنے بچوں کو کہاں لے جائیں؟ کیا غاروں میں بند کر دیں؟ اسی طرح آپ ٹی وی کی تباہ کاریوں سے بچوں کو بچانا چاہتے ہیں تو کیسے بچائیں گے۔ کیا گھر میں ٹی وی نہ لا کر اس سے پوری طرح بچ جائیں گے۔ ظاہر ہے، ایسا نہیں ہے۔ آپ اپنے گھر میں ٹیلی ویژن نہیں لائیں گے تو بچے کہیں باہر جا کر دیکھ لیں گے۔ پنساری یا دودھ والے کی دوکان پر جا کے دیکھ لیں گے۔ پڑوسی کے گھر چلے جائیں گے۔ یا کسی کینٹین کا رُخ کر لیں گے۔ سارے مسائل حل تب ہوں گے جب آپ نظام بدلیں گے۔ جب تک غلط نظام نہیں بدلے گا، حالات کبھی نہیں سدھریں گے۔ اسی لیے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ تقسیم دولت کا نظام غلط ہو جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک طرف دولت کے انبار ہوتے ہیں، گلچھرے اور عیاشیاں ہوتی ہیں، اور دوسری طرف بھوک اور فاقے ہوتے ہیں اور انسان کی حیثیت باربرداری کے اونٹ کی سی ہو جاتی ہے۔ انسان انسان نہیں رہتا۔ جو شخص صبح سے شام تک کمر توڑ دینے والی محنت کرتا ہے، پھر بھی اُس کے خاندان کی دو وقت کی روٹی پوری نہیں ہوتی، آپ اُس سے کیا توقع رکھتے ہیں؟ کیا وہ رات کو کھڑے ہو کر اللہ سے لو لگائے گا؟ کسی اعلیٰ آدرش اور نصب العین کی فکر کرے گا؟ خود حضور ﷺ نے فرمایا: ((كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا)) ''ہو سکتا ہے فقر انسان کو کفر تک پہنچا دے''۔ یہ فقر ہی تو ہے جو انسان سے خودکشیاں کروا رہا ہے۔ یہ فقر ہی تو ہے کہ ایک ماں اپنی تین بچیوں کو لے کر ریل کے سامنے کود جاتی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں کہ تقسیم دولت کا غلط نظام دودھاری تلوار ہے۔ یہ ادھر بھی کاٹتی ہے اور ادھر بھی کاٹتی ہے۔ نامنصفانہ نظام کے نتیجے میں جن لوگوں کے پاس دولت کے انبار لگ جاتے ہیں اُن کے ہاں عیاشیاں اور بدمعاشیاں ہوتی ہیں۔ وہ گلچھرے اڑاتے ہیں۔ اُن کی اخلاقی حس مردہ ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف جو لوگ وسائل سے محروم ہو جاتے ہیں۔ وہ بھوکے مرتے ہیں، روزی روٹی کے علاوہ اُن میں کوئی اور فکر پیدا ہی نہیں ہوتی۔

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

اُن میں خوف خدا اور فکر آخرت کیونکر پیدا ہوگی، وہ نجات اُخروی کے بارے میں کیسے سوچیں گے، جبکہ وہ تو بار برداری کے اونٹ اور کولہو کے بیل ہیں۔ واقعتاً شاہ ولی اللہ کی سماجی فکر (social thought) بہت بلند درجے پر ہے۔ تو یہ تھا وہ غلط نظام جس کے شکنجے میں حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے انسانیت جکڑی ہوئی تھی۔ حضور ﷺ تشریف لائے۔ آپؐ کو دین حق عطا کیا گیا۔ آپؐ کا مقصد بعثت یہ تھا کہ آپؐ کل نظام اطاعت پر دین حق کو غالب کریں اور انسان کو ظالمانہ نظام کے شکنجے سے رہائی دلائیں۔

یہ واضح ہو کہ دین حق صرف الہدیٰ (قرآن) پر نہیں بنے گا۔ الہدیٰ اور دین الحق دونوں ایک نہیں ہیں، دو ہیں۔ الہدیٰ اور دین حق کے درمیان میں واوِ عطف آیا ہے۔ اور واؤ عطف معطوف اور معطوف علیہ میں مغائرت پیدا کرتا ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ میں اور وہ۔ لفظ ''اور'' بتاتا ہے کہ میں اور ہوں اور وہ اور ہے۔ بلاشبہ الہدیٰ دین حق کی بنیاد اور اساس ہے مگر اس کا تفصیلی ڈھانچہ اور خاکہ سنتِ رسولؐ سے بنتا ہے۔ جب آپ سنتِ رسولؐ کے بغیر نماز تک کا نظام نہیں بنا سکتے تو کوئی اور نظام کیا بنائیں گے۔ وہ لوگ بہت ظالم تھے اور ہیں جنہوں نے حدیث سے اُمت کا رُخ موڑنے کی سعی مذموم کی۔ افسوس کہ یہ فتنہ آج بھی پھیل رہا ہے۔ پرویزیت اور مشرقیت کے علمبردار ہمارے ہاں آج بھی موجود ہیں جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں اور حدیث کا انکار کرتے ہیں۔

(جاری ہے)

☆☆☆

بسلسلۂ محاضرات قرآنی

”ڈاکٹر اسرار احمد کی قرآنی، دینی اور ملّی خدمات“

کے موضوع پر منعقدہ سیمینار کے پہلے سیشن کی مفصل روداد

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کی زیر صدارت ہونے والے سیمینار سے مولانا فضل الرحیم اشرفی، انجینئر حافظ نوید احمد، ڈاکٹر باسط بلال کوشل، ڈاکٹر سید سلمان ندوی اور علامہ زاہد الراشدی نے خطاب کیا

رپورٹ:
محبوب الحق عاجز

یہ ایک روح پرور اور ایمان افروز نشست تھی، جو 19 اپریل کو سالانہ محاضرات قرآنی کے عنوان سے قرآن آڈیٹوریم لاہور میں ہو رہی تھی۔ آڈیٹوریم کے در و دیوار اور فضا اس عظیم داعیٔ حق کی فکر قرآنی اور درد ملی کی خوشبو سے معطر تھے، جس نے اپنی شعوری زندگی کے ماہ و سال منبع ایمان اور سرچشمہ یقین قرآن حکیم کے ابلاغ اور تعلیم کے لیے وقف کر دیئے تھے۔ قرآن کے نام پر قائم یہ پُرشکوہ عمارت جو روز اول سے پیغام و تعلیماتِ قرآنی کے ابلاغ کے لیے مختص ہے، آج اس انقلابی شخصیت کی قرآنی، دینی اور ملّی خدمات کے تذکروں سے گونج رہی تھی۔ مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے دینی رہنما اور اکابرین ملت اُن کی شاندار جدوجہد پر انہیں خراج تحسین پیش کر رہے تھے۔ یہ عظیم شخصیت اور بیدار مغز ملی رہنما صدر مؤسس انجمن خدام القرآن و بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد تھے جو گزشتہ سال 14 اپریل کو عالم فانی کو خیر باد کہہ کر عالم باقی کو چل دیئے۔ ڈاکٹر صاحبؒ کی زندگی خدمت دین کا ایک خوبصورت استعارہ ہے۔ انہوں نے خواب غفلت میں پڑے ہوئے مسلمانوں کو جگانے کی سعی کی۔ اُن کے سامنے اسلام کا جامع حرکی تصور پیش کیا، جسے مدتوں سے وہ بھلائے بیٹھے تھے۔ انہیں جمود توڑنے اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو اسلام کی جانب موڑنے کی پرزور دعوت دی۔ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے جس چیز کی طرف لوگوں کو بلایا، سب سے پہلے اُسے اپنے آپ پر اور اپنے گھر پر نافذ کیا، اُس پر اپنے خاندان کو چلانے کی جدوجہد کی۔ مرحوم ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ وہ قرآن حکیم کے مدرس تھے، مفسر تھے، سیاسی مفکر تھے، خلافت کے علمبردار اور اسلامی انقلاب کے داعی تھے۔ اُن کی خدمات ہمہ پہلو ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی دینی خدمات کے حوالے سے منعقدہ اس تقریب کی صدارت آپ کے فرزند ارجمند جناب حافظ عاکف سعید کر رہے تھے، جن کے کاندھوں پر تنظیم اسلامی کی امارت کی ذمہ داری ہے۔ تقریب کا وقت نماز مغرب کے بعد کا تھا، تاہم شرکاء کی آمد کا سلسلہ مغرب سے ذرا پہلے ہی شروع ہو گیا تھا۔ عوام کی متوقع کثیر تعداد کے پیش نظر آڈیٹوریم سے باہر بھی کرسیاں لگائی گئی تھیں، تاہم مجموعی حاضری توقع سے قدرے کم تھی۔ نماز مغرب کے بعد جب پروگرام شروع ہوا تو ڈاکٹر عبدالسمیع نے سٹیج سیکرٹری کی ذمہ داری سنبھالی۔ انہوں نے پروگرام کے باقاعدہ آغاز کے لیے قاری احمد ہاشمی کو تلاوت قرآن حکیم کی دعوت دی۔ قاری صاحب نے سورۃ المومن کی چند آیات تلاوت کیں اور شرکاء محفل کے ایمانی جذبات کو گرمایا۔ تلاوت کلام پاک کے بعد سٹیج سیکرٹری نے محاضرات قرآنی کا مختصر تاریخی پس منظر بیان کیا۔ بعدازاں باری باری مقررین کو دعوت خطاب دی۔

مولانا فضل الرحیم اشرفی —— نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ، لاہور

پروگرام کے سب سے پہلے مقرر معروف عالم دین اور پاکستان کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے نائب مہتمم مولانا فضل الرحیم اشرفی تھے۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے دین کی دعوت و اقامت کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ انہوں نے اپنی مہلت عمر کو قرآن کی دعوت کو عام کرنے میں لگایا۔ وہ اس دور میں حدیث ((خیرکم من تعلم القرآن و علمه)) کا مصداق تھے۔ اُن کی دعوت قرآنی آڈیو اور ویڈیو کیسٹس کے ذریعے دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچی۔ ڈاکٹر صاحب کی زبان سحر بیان سے نکلے الفاظ دل پر اثر کرتے تھے۔ وہ آخرت پر خصوصی زور دیتے تھے۔ جب ایمان بالآخرت اور احوال آخرت پر بیان کرتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے ہم اپنی آنکھوں سے آخرت کے مناظر دیکھ رہے ہوں۔ مولانا فضل الرحیم اشرفی نے کہا کہ شیخ الہند مولانا محمود حسن نے زوال امت کی تشخیص کرتے ہوئے اِس کے دو اسباب بیان کیے تھے: ایک مسلمانوں کی قرآن سے دوری اور دوسرے آپس کے اختلافات اور تفرقہ بازی۔ ڈاکٹر صاحب اس تشخیص کے مطابق امت کے علاج کے لیے کوشاں رہے۔ انہوں نے والہانہ انداز سے قرآن کا درد دلوں میں بٹھایا۔ مولانا موصوف نے شرکاء کو دعوت عمل دیتے ہوئے کہا کہ قرآن سے تعلق مضبوط کیجیے، اور اپنی نسلوں کو بھی قرآن سے جوڑیئے، انہیں پیغام قرآن سے آگاہ کیجیے، تا کہ انہیں معلوم ہو سکے کہ ہمارا خدا ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے۔ انہوں نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ ہم اپنے بچوں کی قرآنی تعلیم کے حوالے سے سخت غفلت کا شکار ہیں۔ ہمیں اس کی کوئی فکر نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ نسل نو قرآن سے بیگانہ ہو رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب نے قرآن کے تعلق سے مسلمانوں کو پانچ باتوں کی تلقین کی یعنی قرآن پر ایمان لایا جائے، اُس کو پڑھا جائے، اُسے سمجھا جائے، اس پر عمل کیا جائے، اُس کو آگے پہنچایا جائے۔ مسلمانوں کو ان باتوں کو اپنے ذہنوں میں بٹھا لینا چاہیے اور خلوص دل سے اِن پر عمل کرنا چاہیے۔

انجینئر حافظ نوید احمد —— امیر حلقہ کراچی جنوبی

انجینئر نوید احمد ڈاکٹر صاحب کے ذہین اور ہونہار تلامذہ میں سے ہیں۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے انقلابی فکر اور منہج پر گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد قرآن حکیم کے عظیم مدرس تھے۔ اُن کے درس میں بے پناہ تاثیر تھی۔ تاہم ڈاکٹر صاحب نے محض درس و تدریس پر قناعت نہ کی بلکہ اپنے انقلابی مزاج کی بنا پر عمر بھر ملک میں اسلامی انقلاب کے لیے کوشاں رہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مسلمانوں کو انقلابی فکر بھی دیا اور انقلاب کے نبوی منہج سے بھی روشناس کرایا۔ انہوں نے عوام کے سامنے جو انقلابی فکر پیش کیا، اُس کے چند نمایاں نکات یہ ہیں۔ ☆ اسلام ہمہ گیر دین ہے۔ ☆ اسلام پر صحیح معنوں میں عمل اُس وقت ممکن ہے جب اس کی اجتماعی زندگی سے متعلق تعلیمات کو نافذ کیا جائے۔ ☆ اسلام کا نفاذ پُر امن طریق سے یعنی انتخابات کے راستے نہیں ہوگا، بلکہ اس کے لیے منظم کشمکش کرنا ہوگی۔ دنیا بھر کے انقلاب لٹریچر میں سے سب سے زیادہ انقلابی بات وہ ہے جو سورۃ الحدید کی آیت ﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (25)﴾ (اور ہم نے لوہا پیدا کیا۔ اس میں (اسلحہ جنگ کے لحاظ سے) خطرہ بھی شدید ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں اور اس لئے کہ جو لوگ بن دیکھے اللہ اور اس کے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں اللہ ان کو معلوم کر لے۔ بیشک اللہ قوی (اور) غالب ہے۔) میں کہی گئی ہے۔ ☆ قرآن محض حصول ثواب کے لیے نہیں، بلکہ اس سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کرنا ہوگی۔ یہ اس لیے نازل کیا گیا ہے تاکہ اس کی تعلیمات پر عمل ہو اور اس کے احکامات کو نافذ کیا جائے، تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں۔ اسلامی انقلاب کے لیے کشمکش اور جدوجہد فرد کا کام نہیں، اس کے لیے ایک منظم جماعت درکار ہے۔ یہ کام بغیر جماعت کے نہیں ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ جماعت قائم کی لیکن اُس نے عین موقع پر جہاد کرنے سے انکار کر دیا، لہٰذا نظام نافذ نہیں ہو سکا۔ اس کے برعکس نبی آخر الزماں نے جماعت قائم کی اور اللہ کا دین غالب ہوگیا۔

ڈاکٹر صاحب کے پیش کردہ انقلابی منہج کے حوالے سے انجینئر نوید احمد نے کہا کہ سیرت النبیؐ کی روشنی میں انقلابی منہج کے چھ مراحل ہیں۔ یعنی انقلابی نظریہ اور اُس کی اشاعت، انقلابی جماعت کی تشکیل و تنظیم، ٹریننگ اور تربیت، تشدد و تعذیب کے جواب میں صبر محض، اقدام اور چیلنج اور مسلح تصادم۔ انہوں نے کہا کہ پہلے پانچ مراحل پر تو آج بھی اُسی انداز سے عمل ہوگا، تاہم چھٹے مرحلے یعنی مسلح تصادم کی بجائے یکطرفہ جنگ کا طریقہ اپنانا ہوگا۔ اس لیے کہ تمدنی ارتقاء کے نتیجے میں دورِ نبوی اور آج کے حالات میں یہ نمایاں تبدیلی آگئی ہے کہ آج حکومت کے پاس مسلح افواج ہوتی ہے جبکہ عوام بالکل نہتے ہیں۔ لہٰذا عوام اپنے مطالبات کے حق میں اُٹھیں گے تو گولیاں کھانے کے لیے تو تیار رہیں گے مگر تشدد کا راستہ نہیں اپنائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ انتخابات کے راستے سے کبھی بھی اسلامی انقلاب نہیں آ سکتا۔ پہلے تو اس راستے سے اقتدار کا حصول ہی دشوار ہے۔ تاہم اگر کسی طریقے سے اقتدار حاصل ہو بھی گیا تو بھی تبدیلی نہیں لائی جا سکے گی۔ الجزائر اور فلسطین میں اسلامی جماعتوں کو کامیابی حاصل ہوئی، مگر الجزائر میں اسلامک سالویشن فرنٹ کی حکومت بننے ہی نہیں دی گئی اور فلسطین میں حماس کی حکومت کو چلنے نہیں دیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ تبدیلی کا راستہ منہج نبوت پر انقلابی جدوجہد ہے۔ انہوں نے پُر امن احتجاجی تحریک کی ضرورت پر زور دیا۔ اُن کا کہنا تھا کہ ہماری دینی جماعتوں نے متحد ہو کر ناموس رسالتؐ کے قانون میں غیر اسلامی ترامیم کے حکومتی عزائم کے خلاف بھرپور تحریک چلائی، جس کے نتیجے میں حکومت پسپا ہوگئی اور عوامی تحریک اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی۔ دینی قوتوں کو اسی طرز پر نفاذ شریعت کے لیے بھرپور عوام احتجاجی تحریک برپا کرنی چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات خوش آئند ہے کہ ہم نے حضور ﷺ کی شان میں قولی گستاخی کے خلاف بھرپور تحریک چلائی، تاہم یہ بات نہایت تکلیف دہ ہے کہ آپؐ کی شان میں 64 سال سے جو عملی گستاخی آپؐ کے عطا کردہ نظام سے بغاوت کی صورت میں ہو رہی ہے، ہم اُس کے خلاف تحریک چلانے کو تیار نہیں ہوئے۔ انہوں نے علامہ اقبال کے اس شعر پر اپنی گفتگو کا اختتام کیا ؎

فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اُس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

ڈاکٹر باسط بلال —— لمز یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر باسط بلال کوشل لمز یونیورسٹی میں سوشل سائنسز کے پروفیسر ہیں۔ انہوں نے "میں نے ڈاکٹر اسرار احمد سے کیا سیکھا" کے موضوع پر گفتگو کی۔ اُن کا لیکچر انگریزی میں تھا۔ اپنی گفتگو میں انہوں نے پہلے تو امریکہ میں تعلیم کے دوران ڈاکٹر صاحب سے اپنے تعارف کا ذکر کیا، بعد ازاں اُن سے ہونے والی مختلف ملاقاتوں کا احوال بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی ملاقاتوں میں مجھے قرآن حکیم کے مطالعے کی طرف راغب کیا اور اس بات پر زور دیا کہ مسلمانوں کو قرآن حکیم کے ذریعے شعوری ایمان کے حصول کی طرف متوجہ کیا جائے۔ اسی طرح انہوں نے مجھے اقبالیات کے مطالعے کی جانب توجہ دلائی۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب سے اپنی ایک ملاقات کے حوالے سے کہا کہ فی زمانہ ہم جب تک تین سوالوں کا جواب نہیں دیں گے Iman with intellectual dimension کا مقصد حاصل نہ کر سکیں گے یعنی روح اور مادہ کا تعلق کیا ہے۔ جبر و قدر میں کیا نسبت ہے؟ اور حادث اور قدیم میں کیا تعلق ہے۔ انہوں نے کہا کہ قرآن حکیم کے صحیح فہم کے لیے ضروری ہے کہ عربی دانی کے ساتھ ساتھ مغربی فکر و فلسفہ کو سمجھا جائے، سیکولر مادی علوم پر عبور حاصل کیا جائے۔ اس کے بغیر قرآن کی حکمت سمجھ نہیں آ سکے گی۔ اُن کا کہنا تھا کہ یہودیت اور عیسائیت نے بہت عرصہ پہلے سیکولر علوم کے آگے ہتھیار پھینک دیئے ہیں، مگر اسلام میں یہ طاقت ہے کہ وہ ان علوم کو شکست دے سکے۔ انہوں نے کہا کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان علوم کو صحیح انداز سے سمجھا جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو یہ مذہب کے لیے بہت بڑا اثاثہ بن سکتے ہیں۔ ڈاکٹر باسط بلال نے کہا کہ اگر ایک سچا مسلمان دنیا کے طبی امراض کا علاج کرنا چاہتا ہے، تو وہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں قرآن سے طبی امراض کا علاج کروں گا بلکہ اس کے لیے اُسے جدید میڈیکل کا علم حاصل کرنا پڑے گا، تبھی وہ بیماریوں کا علاج کر سکے گا۔ اسی طرح آج دنیا میں سیاسی، معاشی اور معاشرتی امراض پائے جاتے ہیں۔ ان کے علاج کے لیے ضروری ہے کہ داعیان اسلام فہم قرآن کے ساتھ ساتھ سیاسی فلسفہ اور تاریخ سے بھی آگاہی حاصل کریں۔ اس سے آگاہی کے بغیر اُٹھنے والے داعیان اسلام انسان کے سیاسی اور معاشی امراض کا علاج نہ کر سکیں گے۔ انہوں نے اس عزم کا اظہار کیا کہ iman with intellectual dimension کا کام ڈاکٹر اسرار احمد نے جہاں تک پہنچایا، میں ان شاء اللہ اُسے لے کر آگے بڑھوں گا۔

ڈاکٹر سید سلمان ندوی — ڈربن، ساؤتھ افریقہ

ڈاکٹر سلمان ندوی مولانا سید سلیمان ندویؒ کے صاحبزادے ہیں۔ وہ اس وقت ڈربن کی ایک یونیورسٹی میں پڑھا رہے ہیں۔ انہوں نے ''ڈاکٹر اسرار احمد کا تفسیری منہج'' کے حوالے سے گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے اسلامی انقلاب کے لیے تنظیم اسلامی جیسی جماعت بنائی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ نفاذ اسلام کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے دوسری تحریکوں میں بھی حصہ لیتے رہے، مگر اُن کا سب سے زیادہ فوکس قرآن حکیم پر تھا۔ قرآن اُن کا مرکز ومحور تھا۔ اُن کا کہنا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے کسی مدرسے سے تعلیم نہ پائی، بلکہ اپنی ذاتی کاوشوں سے علوم قرآنی پر دسترس حاصل کی، اور پھر بہت عمدہ انداز اور اسلوب میں ان علوم کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے قرآن کے بیان وتفسیر میں اُن اصول ومبادی کا خیال رکھا، جو اس کے لیے ضروری ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تفسیر قرآن کے لیے محض عربی دانی کافی نہیں، علوم قرآن سے آگاہی ضروری ہے، ڈاکٹر صاحب ان علوم سے بہرمند تھے۔ انہوں نے تفسیر قرآن میں ڈاکٹر صاحب کی اصابت رائے کو اُن کی چند آیات قرآنی کی تفسیر کے حوالے سے واضح کیا۔ اُن کا کہنا تھا کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے تفسیر قرآن میں اسلاف سے ہٹ کر راہ نہیں اپنائی۔ وہ قلب سلیم اور اللہ کے حضور جوابدہی کے احساس سے بہرہ مند تھے، لہٰذا خود بھی صحیح راستے پر گامزن رہے اور دوسروں کو صحیح راستہ دکھایا۔ اُن کی فکر میں کجی نہیں تھی۔ اُن کی سلامتی فکر کا ایک اہم سبب اسلاف سے جڑے رہنا تھا۔ ڈاکٹر سلمان ندوی نے کہا کہ ڈاکٹر اسرار احمد کا مشن دعوت قرآنی اور اُس کا ابلاغ تھا۔ ہمیں چاہیے کہ اس مشن کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں وقف کر دیں۔ آخر میں انہوں نے تجویز پیش کی کہ ڈاکٹر صاحب کی معرکہ آرا تفسیر 'بیان القرآن' کا انگریزی میں ترجمہ کیا جائے، تاکہ مغرب کا انگریزی دان طبقہ بھی اس سے مستفید ہو سکے۔

علامہ زاہد الراشدی — چیئرمین پاکستان شریعت کونسل

علامہ زاہد الرشدی ممتاز علمی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے ڈاکٹر اسرار احمد کی دینی خدمات پر انہیں خراج تحسین پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب خود کو شیخ الہند کی تحریک سے جوڑتے تھے اور اُن کے بقول تنظیم اسلامی انہی کی تحریک کا تسلسل ہے۔ انہوں نے کہ میں بھی شیخ الہند کی تحریک کا ایک کارکن ہوں۔ یہ بات میرے اور ڈاکٹر صاحب کے درمیان قدر مشترک ہے۔ علامہ زاہد الراشدی نے کہا کہ شیخ الہند کی شخصیت کی ایک نمایاں جہت یہ ہے کہ انہوں نے برطانوی استعمار کے خلاف زبردست جدوجہد کی۔ وہ مزاحمت کی علامت تھے۔ وہ ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف مسلح اور پرامن تحریکات کا سنگم تھے۔ وہ مسلح تحریکات کے آخری اور پرامن تحریک کے پہلے آدمی تھے۔ ریشمی رومال کی تحریک سے پہلے وہ مسلح تحریک کے علمبردار تھے، مگر اس تحریک کی ناکامی کے بعد انہوں نے پرامن تحریک کا لائحہ عمل تیار کیا۔ چنانچہ مالٹا کی اسیری سے رہائی کے بعد ہندوستان واپس آ کر انہوں نے ملت اسلامیہ ہند کے مرض کے علاج کی خاطر تعلیم قرآن کے حلقے قائم کیے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کی قرآنی دعوت اور قرآنی حلقے بھی اسی کا تسلسل ہیں۔ اسی طرح شیخ الہند چاہتے تھے کہ ایک امیر کی قیادت میں انگریزوں کے خلاف پرامن جدوجہد ہو، تاکہ امارت شرعیہ قائم کی جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی اسی تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے تحریک، امارت اور انقلاب کی بات کی۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت قابل تحسین ہے کہ انہوں نے شیخ الہند کے قرآنی حلقوں اور امارت کے تسلسل کو برقرار رکھا۔ مولانا زاہد الراشدی نے کہا کہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد ضرورت اس امر کی تھی کہ ملک میں شرعی عدالتیں قائم کی جاتیں، مگر عملاً اس کے برعکس ہوا۔ چنانچہ شرعی عدالتی نظام تو قائم نہ ہوا، بلکہ جن ریاستوں میں پہلے سے شرعی عدالتیں چلی آتی تھیں، اُن عدالتوں کو بھی ختم کر دیا گیا، مثلاً سوات، بہاولپور، قلات وغیرہ۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ شریعت کی جانب پیش قدمی کے طور پر دینی جماعتیں اُن معاملات اور مسائل کے حل کے لیے جہاں ریاست دخیل نہیں ہوتی، شرعی عدالتیں قائم کریں۔ اس طرح کا شرعی عدالتی نظام آج بھی ہندوستان کے صوبہ بہار میں کامیابی سے چل رہا ہے۔ مولانا زاہد الراشدی نے کہا کہ پروفیسر باسط بلال کوشل نے بجا طور پر یہ کہا کہ مغربی فکر وفلسفہ کو سمجھے بغیر قرآن کو صحیح معنوں میں سمجھا نہیں جاسکتا۔ انہوں نے کہا کہ آج ہمیں مغربی فکر وفلسفہ کا چیلنج درپیش ہے۔ ماضی میں ہمیں یونانی فلسفہ سے پالا پڑا۔ تب اُس کے توڑ کے لیے ماتریدی، اشعری اور غزالی آگے آئے، اور انہوں نے یونانی فلسفے پر اسلام کی برتری ثابت کی۔ لیکن یہ تبھی ہو سکا جب انہوں نے یونانی فلسفہ میں مہارت حاصل کی۔ اِسی طرح آج مغربی فکر وفلسفہ اور سیکولر علوم کے توڑ کے لیے ضروری ہے کہ اُن پر عبور حاصل کیا جائے۔ اُن کا کہنا تھا کہ مغربی فلسفے نے عیسائیت اور یہودیت کو شکست دے دی ہے، مگر اسلام جرأت سے اس کے مقابل کھڑا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام زندہ اور فطری مذہب ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج کی مغرب کی دیانتدار مذہبی دانش یہ تسلیم کر چکی ہے کہ عیسائیت اور یہودیت کے پاس اس فلسفے کا توڑ نہیں۔ وہ اس مقصد کے لیے امید بھری نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہی ہے۔ ہمیں اس فکر وفلسفہ کا توڑ کرنا ہوگا اور اُس پر اسلام کی برتری ثابت کرنا ہوگی اور یہ کام تبھی ہو سکے گا جب ہم اس فلسفہ کو گہرائی میں جا کر سمجھیں گے۔

حافظ عاکف سعید — امیر تنظیم اسلامی

پروگرام کے اختتام پر امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مختصر صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا۔ انہوں نے تمام مقررین اور شرکاء کا شکریہ ادا کیا جو وقت کا انفاق کر کے اس پروگرام میں شریک ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر باسط بلال کوشل نے مغربی فکر و فلسفہ کے گہرے ادراک اور اُس کے توڑ کی جو بات کی، وہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا اہم تقاضا ہے۔ اسی بات کی طرف والد محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اپنے نہایت وقیع اور جامع کتابچہ ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام'' میں توجہ دلائی ہے۔ امیر محترم نے واضح کیا کہ یہ ڈاکٹر صاحب کا فکری پیغام تھا۔ اس کی جانب خصوصی توجہ ضروری ہے، تاہم یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب نے ایک عملی پیغام بھی دیا ہے، وہ یہ ہے کہ مغربی فکر وفلسفہ کی بنیاد پر عوامی حاکمیت کے تصور پر مبنی نظام کا قلع قمع کر کے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کے تصور پر مبنی اسلامی نظام قائم کیا جائے۔ یہ نظام اس فلسفہ پر کاری ضرب ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ مغربی فکر وفلسفہ کی بنیاد مادہ پرستی ہے، یعنی دنیا کی محبت اور اس کے اسباب پر بھروسا۔ انہوں نے باسط بلال کو متوجہ کرتے

ہوئے کہا کہ وہ اقبال کے اس شعر پر غور کریں۔

صحبتِ پیرِ روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب، ایک کلیم سر بکف

امیر محترم نے کہا کہ آج کے دور میں طالبان افغانستان نے افغانستان میں شرعی نظام قائم کر کے مغربی نظام اور فلسفہ پر زوردار ضرب لگائی۔ طالبان نے اسلامی شریعت نافذ کر کے دنیا کے سامنے ایک مثال پیش کردی۔ اِس نظام کی برکات سے پورے ملک میں جرائم رک گئے اور مثالی امن قائم ہوگیا۔ یہ نظام ابھی ابتدائی دور میں تھا اور ابھی مزید نکھر کر دنیا کے سامنے آرہا تھا، کہ اس کے خاتمے کے لیے مغربی نظام کے محافظ شیطانی ٹولے نے افغانستان پر حملہ کردیا۔ انہوں نے کہا کہ طالبان نے جو نظام قائم کیا، اُس کی برکات کا مشاہدہ کر کے شاعرِ مشرق کے فرزند ڈاکٹر جاوید اقبال جیسے ملائیت کے کٹر مخالف شخص کو بھی یہ کہنا پڑا کہ ''طالبان نے جو نظام قائم کیا، یہ اگر دنیا کے دو چار اور ممالک میں قائم ہوگیا تو ساری دنیا مسلمان ہوجائے گی''۔ امیر محترم نے کہا کہ مغربی فکر و فلسفہ کے توڑ کے حوالے سے ہمیں بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے عملی پیغام کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا۔ فکر و فلسفہ کے میدان میں اس کے مقابلہ کے ساتھ ساتھ ہمیں عملی میدان میں بھی اِس فلسفہ اور سیکولر نظام کے خلاف جدوجہد کرنی ہوگی۔

امیر تنظیم اسلامی کا صدارتی خطاب ختم ہوا تو رات کے گیارہ بج چکے تھے۔

امیر محترم نے مسنون دعا پر پروگرام کا اختتام کیا۔

(یاد رہے کہ یہ سیمینار دو روزہ تھا۔ دوسرے روز مقررین نے جن خیالات کا اظہار کیا اُس کی تفصیل آئندہ شمارہ میں پیش کی جائے گی۔ ان شاء اللہ)

☆☆☆

ضرورت رشتہ

☆ ملتان کے رہائشی رفیق تنظیم کو اپنی بیٹی، عمر 24 سال، تعلیم ایم اے اکنامکس، CA (ڈی ماڈیول) کے لیے دینی مزاج کے حامل، تعلیم یافتہ، برسر روزگار، لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ صرف والدین رابطہ کریں۔ برائے رابطہ: 0322-6187858

☆ انگلینڈ میں رہائش پذیر لڑکا، عمر 28 سال، برسر روزگار، کے لیے دینی مزاج کی حامل، خوبرو، تعلیم یافتہ لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0321-7732997

☆ بیٹی، عمر 23 سال، تعلیم ایم اے بی ایڈ کے لیے دینی مزاج کے حامل تعلیم یافتہ برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0321-7732997

☆ کراچی میں رہائش پذیر لڑکی، عمر 22 سال، تعلیم ایم بی بی ایس (جاری) کے لیے دینی مزاج کے حامل نوجوان (ترجیحاً ڈاکٹر) کا رشتہ درکار ہے — اور — بیٹا، عمر 24 سال، الیکٹریکل انجینئر کے لیے دینی مزاج کی حامل لڑکی (ترجیحاً ڈاکٹر) کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0334-5514080

تنظیمی اطلاع

حلقہ گوجرانوالہ: مقامی تنظیم سیالکوٹ شمالی میں خالد یعقوب امیر مقرر

ناظم حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن کی جانب سے مقامی تنظیم سیالکوٹ شمالی میں تقرر امیر کے لیے موصولہ اُن کی اپنی سفارش اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی عاملہ کے اجلاس منعقدہ 10 مارچ 2011ء میں مشورہ کے بعد جناب خالد یعقوب کو مقامی تنظیم کا امیر مقرر فرمایا۔

نیوز آف دی ویک

خبر

''امریکہ کو ڈرون حملے بند کرنا ہوں گے'' (صدر زرداری)

تبصرہ: صدر آصف علی زرداری نے امریکہ کو للکارتے ہوئے فرمایا ہے کہ امریکہ کو ڈرون حملے بند کرنا ہوں گے۔ وکی لیکس کی ڈسی ہوئی یہ قوم صدر صاحب کے اس چیلنج سے خوفزدہ ہوگئی ہے۔ اس لیے کہ وکی لیکس کے کرتا دھرتا اسانج نے یہ راز فاش کیا تھا کہ صدر مملکت نے امریکہ کو ایک بار کہا تھا کہ ڈرون حملوں سے ہونے والے عوامی جانی نقصان کی آپ کو پروا ہوگی مجھے قطعی طور پر نہیں۔ اس خوش نصیب قوم کے وزیراعظم نے امریکیوں سے کہا تھا کہ ہم اسمبلی میں ڈرون حملوں کے خلاف شور کرتے رہیں گے لیکن بات اس سے آگے نہیں بڑھے گی۔ آپ اپنا کام اطمینان سے کرتے رہیں۔ لہٰذا صدر پاکستان کے ایسے بیان پر قوم اگر لرز اُٹھی ہے تو معلوم ہوا کہ قوم اب تجربہ کار ہوتی جارہی ہے۔ وہ اب کسی شے کے نفی اور اثبات کے اصل معنی جاننے لگی ہے۔ قرب قیامت میں اگر سورج مغرب سے طلوع ہوسکتا ہے تو الفاظ کے مطالب کا الٹ پھیر ہونا کیا حیثیت رکھتا ہے۔

معمار پاکستان نے کہا

ہمیشہ اُن تصورات اور عزائم کے مطابق زندگی بسر کیجیے جن کے لیے آپ حال ہی میں اپنی زندگیاں وقف کرنے کا عہد کرچکے ہیں۔ میری مراد پاکستان کی خدمت سے ہے۔ کمزوروں کی حمایت اور شہیدوں کی پاک یاد کے سلسلے میں اپنا فرض ادا کر کے اسلام کی شان و شوکت میں چار چاند لگائیے۔

(پنجاب مشین گن رجمنٹ، پشاور سے خطاب، 15 اپریل 1948ء)

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاء اللہ العزیز

''مسجد قبا ماڈل ٹاؤن ہمک نزد کاک پل سہالہ اسلام آباد'' میں

مبتدی تربیتی کورس

10 تا 16 اپریل 2011ء

(بروز اتوار نماز عصر تا بروز ہفتہ نماز ظہر)

اور

امراء و نقباء تربیتی و مشاورتی اجتماع

15 تا 17 اپریل 2011ء

(بروز جمعہ نماز عصر تا بروز اتوار ظہر)

کا انعقاد ہو رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ رفقاء اور نقباء و امراء ان پروگراموں میں شریک ہوں، موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: راجہ محمد اصغر 0333-5382262

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت (042)36316638-36366638 0333-4311226

تاریخ خود کو دوہرانے جا رہی ہے

مولانا زاہد الراشدی

فرانس کے صدر نکولس سرکوزی نے تجویز پیش کی ہے کہ فرانسیسی معاشرے میں اسلام کے کردار پر 5 اپریل سے عمومی بحث کا آغاز کیا جائے۔ ان کا خیال ہے کہ ''فرانسیسی سوسائٹی میں اسلام کا رول کیا ہے'' اس موضوع پر بحث کا اہتمام ہونا چاہیے۔ چنانچہ ان کے وزیر اعظم نے کہا کہ ''اس بحث کا فوکس صرف اسلام ہوگا اور اگر اس کا مقصد مسلمانوں کو بدنام کرنا ہے تو میں اس کی مخالفت کروں گا''۔ سہ روزہ ''دعوت'' دہلی 10 مارچ 2011ء کی ایک رپورٹ کے مطابق فرانس میں اس وقت مسلمانوں کے حوالے سے جن مسائل پر گفتگو ہو رہی ہے، ان میں مسلم خواتین کا حجاب، حلال گوشت کی فراہمی پر مسلمانوں کا اصرار اور مساجد کے باہر عام راستوں پر نمازیوں کی صف بندی کے معاملات سرفہرست ہیں اور مسلمانوں کی مذہبی علامات کو فرانس کے لیے خطرہ قرار دیا جا رہا ہے۔

فرانسیسی دانشوروں کا ایک حلقہ جس میں صدر نکولس سرکوزی بھی شامل ہیں، مذہبی حوالے سے کسی بھی علامت کے بر سر عام اظہار کو سیکولرازم کے منافی اور اس کے لیے خطرہ سمجھتے ہیں اور اس کی روک تھام کے لیے ایک عرصہ سے سرگرم عمل ہیں۔ اسی پس منظر میں مسلم خواتین کے سر عام حجاب پر فرانس کی پارلیمنٹ نے پابندی لگا دی ہے اور اس کے قانون پر 11 اپریل سے عمل درآمد کا آغاز ہونے والا ہے۔ بعض مبصرین کا خیال ہے کہ آئندہ سال فرانس میں صدارتی الیکشن ہونے والا ہے اور صدر سرکوزی اس سے قبل دائیں بازو کی حمایت حاصل کرنے کے لیے یہ کارروائیاں کر رہے ہیں۔

فرانس مغربی دنیا میں سیکولرازم کا باوا آدم تصور ہوتا ہے کہ انقلاب فرانس سے ہی مغربی معاشروں اور ریاستوں میں سیکولرازم کی عمل داری کا آغاز ہوا تھا، اس لیے اس مجوزہ بحث سے ایک تو یہ بات واضح ہوتی جا رہی ہے کہ سیکولرازم کا اصل مفہوم کیا ہے؟ اور مسلم دنیا کے بعض دانشوروں کی طرف سے وسیع پیمانے پر پھیلائے جانے والے اس مغالطے کی حقیقت کیا ہے کہ سیکولرازم مذہب اور مذہبی اقدار کی نفی کا نام نہیں ہے، اس لیے مسلمانوں کو سیکولرازم سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ترکی اور اس کے بعد فرانس میں جس طرح اسلام کی مذہبی علامات اور مسلمانوں کی مذہبی اقدار کا راستہ روکنے کی مسلسل کوشش کی جا رہی ہے، اس نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ سیکولرازم کا اصل ایجنڈا مذہب اور مذہبی اقدار کی نفی ہے اور معاشرے میں مذہب کے کسی بھی سطح پر کردار کو ختم کرنا ہے۔ لیکن سیکولر دانشوروں کی الجھن یہ ہے کہ اسلام نے ایک زندہ مذہب اور فطری دین کے طور پر ترکی اور فرانس کے معاشروں میں اپنے ناقابل شکست ہونے کا جو منظر پیش کیا ہے، اس نے سیکولرازم کی فکری بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں اور مغربی دانش ور ایک بار پھر اپنے معاشروں میں مذہب کے کردار کو زیر بحث لانے کے لیے بے بس ہوتے جا رہے ہیں۔

چند سال قبل امریکا میں ایک دانشور نے ہم سے سوال کیا کہ مغربی دنیا میں مذہبی اقدار کی طرف واپسی کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے، جس سے ہمیں یہ پریشانی لاحق ہو رہی ہے کہ مذہب کہیں مغربی سوسائٹی میں فرد سے آگے بڑھ کر سوسائٹی کے معاملات میں نہ دخیل ہونے لگے۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کا اس سلسلے میں کیا خیال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اگر وہ فی الواقع مذہب ہوگا تو یقیناً سوسائٹی کے معاملات پر اثر انداز ہوگا اور سوسائٹی اس کی دخل اندازی سے محفوظ نہیں رہ سکے گی، اس لیے کہ دین اور مذہب صرف خدا اور بندے کے انفرادی تعلق کا نام نہیں، بلکہ وہ خدا تعالیٰ اور انسانی سوسائٹی کے تعلق کا نام ہے، اصلاً یہ تعلق خدا اور انسانی سوسائٹی کا ہے اور ضمناً اسے خدا اور بندے کے انفرادی تعلق کا عنوان بھی دیا جا سکتا ہے۔

جتنے بھی آسمانی مذاہب گزرے ہیں یا آسمانی تعلیمات کے حوالے سے اس وقت جو بھی تعلیمات ریکارڈ پر موجود ہیں، وہ صرف فرد کی بات نہیں کرتیں، بلکہ سوسائٹی کے مسائل پر بھی بحث کرتی ہیں۔ اور اجتماعی مسائل کا حل بھی پیش کرتی ہیں۔ بائبل کے نام سے توریت، انجیل اور زبور کی جو تعلیمات اس وقت دنیا میں موجود ہیں اور پڑھی جاتی ہیں، اپنی استنادی حیثیت کے بارے میں تمام تر تحفظات کے باوجود ان کی تعلیمات کا بیشتر حصہ سوسائٹی کے اجتماعی معاملات سے متعلق ہے اور سوسائٹی کے مسائل پر ان میں راہ نمائی موجود ہے، البتہ اسلام کو اس حوالے سے یہ نمایاں امتیاز حاصل ہے کہ اس کی تعلیمات سب سے زیادہ جامع اور مکمل ہیں اور اصلی حالت میں موجود بھی ہیں، اسی لیے سوسائٹی میں مذہب کے معاشرتی کردار کی واپسی سے خوف کھانے والے دانشوروں کو سب سے زیادہ خطرہ اسلام سے ہی محسوس ہو رہا ہے۔

اسلام فرد کی اصلاح کی بات تو کرتا ہی ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ خاندانی مسائل اور سوسائٹی کے اجتماعی امور کو زیر بحث لاتا ہے اور فرد، خاندان، سوسائٹی اور عالمگیریت کے چاروں دائروں میں ایک مربوط پیکیج کے طور پر نسل انسانی کی راہ نمائی کرتا ہے۔

مغرب نے خاندان اور معیشت کو مذہبی تعلیمات کے دائرے سے آزاد کرنے کا نتیجہ دیکھ لیا ہے کہ خاندان کا ادارہ بکھر کر رہ گیا ہے اور معیشت کا نظام مصنوعی تنفس کے تمام تر سہاروں کے باوجود پسپائی کا عمل جاری رکھے ہوئے ہے، جبکہ جدید دانش یہ باور کرنے پر مجبور ہوتی جا رہی ہے کہ خاندانی نظام کی ٹوٹ پھوٹ اور معاشی نظام کی پسپائی کی اصل وجہ مذہبی اقدار اور اخلاقیات سے انحراف ہے اور اس کا کوئی حل مذہبی اقدار کی طرف واپسی کے علاوہ نظر نہیں آ رہا۔

آج عالمی ثقافتی کشمکش میں اسلام کو یہ بالادستی حاصل ہے کہ وہ سب سے پہلے عقیدہ کی بات کر کے انسان کے دل میں اپنی اساس کو مضبوط کرتا ہے، پھر دل کے تاروں کو چھیڑ کر اس کی روحانیت کی تسکین کا سامان فراہم کرتا ہے، اس کے بعد اخلاقیات کا حصار اس کے اردگرد قائم کرتا ہے اور پھر عمل و کردار کی طرف توجہ دلا کر اس کے عقیدہ و ثقافت کی مضبوط عمارت کھڑی کر دیتا ہے۔

اسلام کو دوسرا ایڈوانٹیج یہ حاصل ہے کہ اس کی اوریجنل تعلیمات اپنی اصلی حالت میں نہ صرف موجود

ہیں، بلکہ وسیع پیمانے پر ان کی تعلیم وتدریس ہو رہی ہے، قرآن وسنت کی تعلیمات پر مسلسل ریسرچ کے ذریعہ ان کی علمی پیش رفت کا سلسلہ جاری ہے اور مسلم امہ کے ہر طبقہ کو قرآن وسنت کی تعلیمات تک براہ راست رسائی کے مواقع ہر سطح پر میسر ہیں، اسی وجہ سے ایک مسلمان کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کسی مسلم معاشرے میں رہ رہا ہے یا غیر مسلم معاشرہ میں اس کی رہائش ہے، اس کے لیے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر اپنے اردگرد مسلم معاشروں جیسا ماحول بنالینا دنیا کے کسی بھی خطہ میں کوئی زیادہ مشکل کام نہیں ہے اور گزشتہ نصف صدی کے دوران دنیا نے کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیا ہے کہ مسلمانوں کے آٹھ دس خاندان دنیا کے کسی بھی حصے میں آباد ہوئے ہیں تو انہوں نے وہیں اپنا ماحول بنا لیا ہے اور ان کا وہ ماحول اپنی داخلی کیفیات کے حوالے سے دنیا کے کسی بھی مسلم ملک کے ماحول سے مختلف نہیں ہے۔ آپ کو ہانگ کانگ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ، امریکا، کینیڈا، برطانیہ، فرانس، جرمنی، ماسکو اور بیروت سمیت دنیا کے ہر خطے میں مساجد اور نمازوں کا ایک جیسا ماحول ملے گا۔ رمضان میں افطاری اور سحری کا ایک جیسا نظام دکھائی دے گا۔ جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں ایک ہی طرح کا ہجوم اور جوش وخروش نظر آئے گا اور اسلامی اقدار وروایات کی نفی یا توہین پر یکساں نوعیت کا غصہ واضطراب دیکھنے میں آئے گا۔

کہتے ہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تاریخ خود کو پھر سے دہرانے جا رہی ہے۔ مذہب کے معاشرتی کردار کی نفی کی بحث کا آغاز بھی فرانس سے ہوا تھا اور فرانسیسی معاشرے نے ہی معاشرتی کردار کے دائروں سے مذہب کو خارج کرنے کی شروعات کی تھیں۔ اب دو صدیوں کے بعد فرانس ہی مذہب کے معاشرتی کردار کی بات چھیڑنے لگا ہے اور وہاں باقاعدہ صدارتی اعلان کے ساتھ اس گفتگو کا آغاز ہو رہا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ تب مسیحیت زیر بحث تھی اور اب اسلام اس بحث کا عنوان ہے۔ بحث اس وقت بھی معاشرتی کردار کی تھی اور اب بھی معاشرتی کردار ہی زیر بحث ہے۔ اس وقت مذہب کے معاشرتی کردار کی نفی کے راستے ہموار کیے جا رہے تھے اور اب مذہب کے معاشرتی کردار کی واپسی کے امکانات کا جائزہ لیا جا رہا ہے "تلكَ الأيام نداولها بين الناس"

ہم صدر فرانس مسٹر نکولس سرکوزی کی طرف سے اسلام کے معاشرتی کردار کی بحث کے اعلان کا خیر مقدم کرتے ہیں اور انہیں یقین دلاتے ہیں کہ آج کی یہ بحث دو سو سال قبل کی بحث سے قطعی مختلف ہوگی، اس لیے کہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور اپنی زندگی کے تحفظ میں اسے پوری تاریخ میں کبھی پسپائی کا سامنا نہیں کرنا پڑا!!

(بشکریہ روزنامہ "اسلام")

بقیہ: قرارداد پاکستان سے قرارداد مقاصد تک

مسئلہ یقین کی کمی کا ہے۔ آج بھی اگر ہم اللہ کی مدد آنے پر اعتماد کریں اور اللہ ہی کے سامنے وہ عاجزی وانکساری اختیار کریں جو فی الوقت ہم امریکہ کے سامنے اختیار کیے ہوئے ہیں تو اللہ ہمیں ہرگز اس طرح رسوا نہیں ہونے دے گا جس طرح امریکہ ہمیں آئے دن ذلیل کر رہا ہے۔ رسوائی کی انتہا یہ ہے کہ ملکی سرحدوں کے محافظ اب امریکی جارحیت پر مذمتی بیانات دے رہے ہیں۔ حالانکہ ایسے مواقع پر دفاعی ذمہ داروں کا ردعمل یہ ہونا چاہیے تھا کہ اگر ایسی حرکت دوبارہ ہوئی تو ہم اپنی جانوں پر کھیل کر اپنا دفاع کریں گے۔ لیکن جب سے ہم 'وھن' کی بیماری میں مبتلا ہوئے ہیں تب سے ہماری عزت کا دھیلا ہوگیا ہے۔ نبی ﷺ نے اس بیماری کے حوالے سے ہمیں بہت پہلے آگاہ فرما دیا تھا، مگر ہم کتنے بدقسمت ہیں کہ اپنے محسن نبی ﷺ کی پیشگی تنبیہات (Pre-warnings) کے باوجود اس مہلک مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا تھا: "تم پر وہ وقت آنے والا ہے کہ جب دوسری قومیں تم پر ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گی جس طرح کھانا چننے والی دسترخوان پر دعوت دیتی ہے۔" پوچھا گیا، یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم اس وقت تعداد میں تھوڑے ہوں گے؟ فرمایا: "نہیں بلکہ اس وقت تمہاری تعداد تو بہت زیادہ ہوگی لیکن تمہاری حالت یہ ہوگی کہ جس طرح سیلاب پر جھاگ ہوتی ہے اور اللہ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال کر اس میں 'وھن' راسخ کر دیں گے"۔ پھر پوچھا گیا، اے اللہ کے رسول ﷺ 'وھن' کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "دنیا کی محبت اور موت سے نفرت وکراہت۔" (رواہ ابوداؤد)

غلبہ واقامتِ دین کی جدوجہد کا حُدی خواں

تنظیم اسلامی کی انقلابی دعوت کا ترجمان

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

ماہ اپریل کا شمارہ شائع ہوگیا ہے

☆ لوٹ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایّام تُو! — حافظ عاکف سعید

☆ توبہ کی عظمت اور اُس کی تاثیر — ڈاکٹر اسرار احمد

☆ میں نے اپنے استادِ مکرم سے کیا سیکھا؟ — شاہدہ شوکت ظفر

☆ یہ ایک شخص کی نہیں، پوری قوم کی دیت ہے — ابوالحسن علوی

☆ مصطفیٰ کمال پاشا — حافظ محمد زبیر

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا "بیانُ القرآن" تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہا ہے

☆ صفحات: 96 ☆ قیمت فی شمارہ: 25 روپے ☆ سالانہ زرتعاون (اندرون ملک) 250 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون: 3-042-35869501، email:maktaba@tanzeem.org

eye of the physical sciences and the eye of metaphysical revelation. The knowledge of the unseen realities is to be obtained from the Quraan and that of the physical world from the physical sciences. This endeavor remains incomplete until we put here the role of the metaphysics of the Quraan.

What are the essentials of Quranic metaphysics? The simple answer to this question is the deep Conviction (Eiman) which means to have a belief with the core of heart, in One Allah, in the Day of Resurrection, in the Revelation, in the Angels, in the Books and in the Messengers of Allah. This must be further asserted with the belief that Muhammad (PBUH) is the last Prophet of Allah, and there can be no prophet after him. This set of beliefs is the metaphysics of the Quran since they cannot be the subject of the domain of our physical sciences. All these kinds of conviction can be put under the three main themes, which are belief in One Allah, belief in the Hereafter and belief in the Prophets.

The essence of belief in Allah is that He is the only Creator of all the created beings. He is the Possessor and the Sustainer and He is the one only to be worshipped. He is for ever. A time will come when the universe will come to an end. To-day science having come out of the Newtonian era has confirmed the reality that every thing that has been created will go to oblivion one day. Every thing was created at a particular moment and will come to an end at a particular moment. This is the destiny of all the created things. The researchers are almost unanimous on this point that the beginning of the universe was started about 20 million years ago with the "Big Bang". Its expansion is still continued like a spiral firework. New galaxies are coming into existence, which are said to be at a distance of trillions and trillions miles away from us. The Quraan has already referred to such happenings by saying, ***"-------- He multiplies in certain what He Wills. Lo! Allah is able to do all things." (35:2)***.This is what Allama Iqbal has referred to in his poetry. *"Yeh Kayenat Abhi Natamam hay shayed — Keh Arahi hay Damadam Saday Kun fa yakoon".*

At present the universe is expanding. A time will come when it will start rewinding and contracting till it ends in a small dot. This phenomenon has been mentioned in the Quran in the Surat-e-Anbiya, ***"The day when We shall roll up the heavens as a recorder rolls up a written scroll as We began the first creation. We shall repeat it. (It is) a promise binding upon Us. Lo! We are to perform it" (21:104)***

As said earlier, we cannot visualize the Being of Allah. We know Allah through His attributes only, albeit with limited scope. The Quran teaches us that all good names are attributed to Allah, so you call Him with these names. We should understand that He is Omnipotent, Omniscient and Omnipresent. There is no one else who can equate Him or can match with Him.

Regarding our conviction in the Hereafter, we believe that Allah alone is the judge in the final reckoning of deeds. Man is the climax of His creation. The human life is not actually what we observe in this mundane world. The man is the only creature bestowed with both material body and spiritual element (the Soul, the Rooh). God says, ***"I have created him (the man) with both My hands." (38:75)***What are these two hands of God? These are the two basic Attributes of Allah, the KHALQ and the AMR i.e. the domain of creation and the domain of command. Man is the only complex creation wherein the two attributes have been combined together. So to say, he is both spiritual and material being. According to a saying of the Prophet Muhammad (PBUH), Allah says, *"God has created Adam on His own Form" (Bukhari and Muslim)*. This is the highest status of man which God has bestowed on him. As such this highly revered creature is not likely to be destined to such a short life, the worldly one. Life is endless and all the human beings are to live in the Hereafter an endless life. *"Thoo ise pemanaye imroz farad se na nap. Javedan peham dawan har dam jawan hay zindagi (Allama Iqbal)*

Regarding the chain of the Prophets, we believe that all those mentioned in the Quraan and those not mentioned therein, but known to Allah, are the true messengers of God. We also believe that all the Prophets preceding the last Prophet Muhammad (pbuh) were for a certain period and certain people. The last Prophet Muhammad (SAW) has the distinction of being Messenger of Allah to the whole humanity and the whole world. The Message of God has been perfected on him. He has been given the final and the complete book, the Holy Quraan, which will remain protected with its text for all times as promised by Allah, the Omnicient.

Mohammad Fahim

The Metaphysics of the Quran

We understand that the physical world is the world of physics and the interaction with the physical universe, ephemeral in nature, is through the five senses. In contrast to this, metaphysics is dealing with the facts which are beyond the grip of the senses and are eschatological. The actual realities of life are concealed and are mysterious and cannot be visualized with the sense organs. This is the universe of metaphysics which is the subject of the Holy Quraan. The Quraan makes it clear at the very outset that only those can be benefited from it who, do believe in the unseen, as is explained in the Second Sura of the Quran. ***"This is the Scripture whereof there is no doubt a guidance unto those who ward off (evil)(2:2), who believe in the unseen and establish worship and spend of what we have bestowed upon them.(2:3).*** We cannot visualize the Person of God with our senses, pondering and thinking. He is beyond, farther and farther beyond our imagination. We cannot see and sense the Angels. Similarly we cannot see revelation. All these realities are the domain of metaphysics, contrary to the world of physics where we can see, feel, measure and experiment the things.

Ours is the era when the physical sciences have made a tremendous stride while the metaphysics have come to a sullen stop. There is no contradiction in the two domains rather they are complementary to each other. It was and is inevitable that what has been achieved in the field of modern physics, should have been supplemented for study with the metaphysics of the Quraan. According to the late Dr. Rafiud Din,***" The Quraan is the Word of God and the universe is the Work of God".*** The Quraan is the Oration of Allah and the universe is His creation. All the physical laws are designed by Almighty Allah and He has put them to work. Therefore, there cannot be any contradiction in the two. We understand that there can be very little possibility in the word and work of a reasonable man even. Then how can there be any such thing in the word and work of God. That is why all the proven findings of the modern day science are fully conforming to the teachings of the Quraan. By the time the Quraan was revealed, 1400 years ago, people had very little knowledge about the different physical phenomena. Therefore, when the Quran made a reference to these things, very little of it could be comprehended by them. As long as the science marched forward, the understanding of such phenomena became graspable. As the Quraan says, ***"We shall show them our portents on the horizon and within themselves until it will be manifest unto them that it is the truth……." (41:53)*** All the scientific findings to-date, have fully confirmed the realities mentioned in the Quraan. For example the reference in the Holy Book about embryology had greatly confounded the experts of this field. Two renowned scholars of embryology are worth mentioning here. One Dr. Keth. L. More from Canada, a professor in the University of Toronto, is the author of two very authentic books on the subject of embryology. The other is Dr. Robert Edwards, who has got world fame in the baby test tube technology. Both these scientists have expressed with great astonishment what the Quraan has revealed about the step-by-step development of the embryo into baby in the womb of mother, has a stark similarity with what has been approved by the modern research after the invention of microscope. Dr. Maurice Bucaille, the famous French surgeon has also made a deep study of the embryological process. In his famous book titled as 'The Bible, the Quraan and Science' he has proved and announced openly that there is nothing in the Quran, which can be rejected by science. It is the great need of the day that the two bodies of knowledge, which are presently working in separate compartments, must be put together to study. It is allegorical that the human beings should see simultaneously with the two eyes, the

MULTICAL-1000

Calcium+Vitamin C & B12 + Folic Acid Sachet

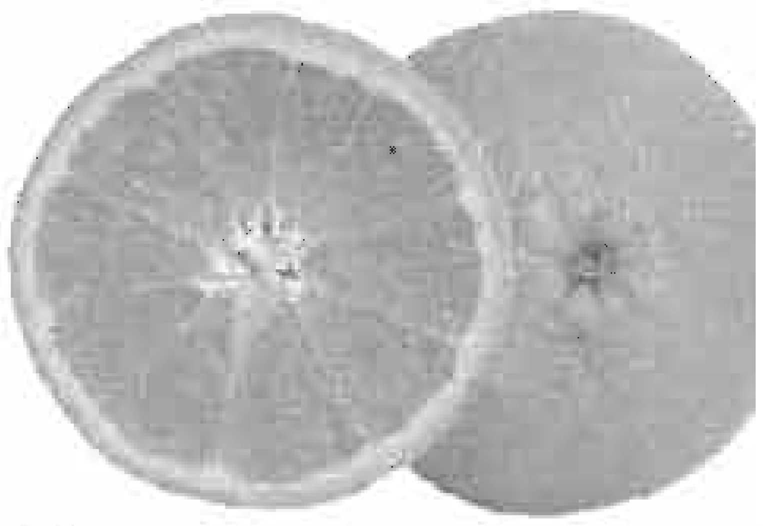

Fulfill the *Basic Needs of Pregnancy*

Boost Calcium

Before | **During** | **After**

Pregnancy

MULTICAL-1000 2 in 1

MULTICAL-1000 is suitable in pregnancy induced diabetes

Calcium

Growing fetus needs calcium for developing strong bones & teeth

Tasty & Tangy

Folic Acid

Essential during pregnancy to prevent Neural Tubular Defect (NTD) in the developing fetus

Sweetened with Aspartame

Composition

Each sachet contains

Calcium lactate gluconate...1000 mg
Calcium carbonate.............. 327 mg
Vitamin C........................... 500 mg
Folic Acid..................................1 mg
Vitamin B 12........................250 µg

Full prescribing information is available on request

NABIQASIM INDUSTRIES (PVT) LTD
5th Floor, Commerce Centre, Hasrat Mohani Road, Karachi-Pakistan
Email: info@nabiqasim.com website: www.nabiqasim.com UAN 111-742-762

PHARMA

your Health our Devotion